جنوری تا مارچ ۲۰۰۵ء، ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ تا محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

’’مولانا احمد رضا نہ کبھی انگریزوں کی حکومت سے وابستہ رہے، نہ اُن کی حمایت میں کبھی فتویٰ دیا، نہ کبھی اس بات کا کسی طور اظہار کیا، کم از کم میری نظر سے اُن کی کوئی ایسی تحریر یا تقریر نہیں گزری، اگر ایسی کوئی بات سامنے آتی تو اس کا ضرور ذکر کرتا، اس لیے کہ نہ میرا اُن کے مسلک سے تعلق ہے نہ اُن کے خانوادے سے، لہٰذا شاہ احمد رضا خان کو علماء سوء کے زمرے میں شامل کرنا سراسر بہتان اور تہمت ہے۔‘‘

(ادیب و نقاد جناب شوکت صدیقی، پاکستان)

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش۔ محمد احمد ترازی

تحریک فکر رضا

۱۶۷، ڈم ڈمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۸ (انڈیا)

R.N.I. REGISTRATION NO. : 71248/99

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کی ترویج کا علمی علم بردار

سہ ماہی افکارِ رضا ممبئی

جنوری تا مارچ ۲۰۰۵ء جلد ۱۱ شمارہ ۱ (۳۹) ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ تا محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

مدیر : محمد زبیر قادری

منیجر : محمد اسحٰق برکاتی

Distributed in Pakistan By :

Markazi Majlis-e-Riza

P.O.Box: 2206, Lahore, Pakistan

Distributed in England By :

THE ISLAMIC TIMES

C/o. 138, Northgate Road,

Edgeley, Stockport, SK3 9NL ENGLAND

Distributed in Australia By :

SHEHZAD ALI

P.O. Box: 51, Lurnea 2170,

NSW., AUSTRALIA

Correspondence Address: رابطہ کا پتہ:

Tehreek-e-Fikr-e-Reza

167, Dimtimkar Road, Nagpada, Mumbai - 400 008.

Office Address: آفس کا پتہ:

95, Undria Street (Chowki Mohalla), Mumbai - 400 008 India

فون: ***5600 8260***

Website: www.fikreraza.net Email: editor@fikreraza.net

پرنٹر پبلشر محمد اسحٰق محمد عمر نے پرنٹ ٹاپ پرنٹنگ پریس 18، شنکر بلڈنگ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ 400008 سے چھپوا کر دفتر 167 ڈمٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ 008 400 سے شائع کیا۔

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش۔ محمد احمد ترازی

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا

متوسلینِ رضا

عظمت پہ سرکار کے دے دیں جو قربانی جانوں کی
ملّت کو ہے آج ضرورت پھر ایسے دیوانوں کی
مسجد مسجد کوچہ کوچہ دشمن جم کر بیٹھے ہیں
دور کریں گی کیسے اُس کو تقریریں نذرانوں کی

از: علامہ ارشد القادری

منقبت در شانِ امام احمد رضا

نتیجۂ فکر: مولانا محمد توفیق احمد نعیمی حامی
بریلی شریف

واہ کیا خوب ہے عز و شانِ رضا — دنیائے علم ہے قدردانِ رضا
کیا کریں ہم بیاں کیا ہے شانِ رضا — علم کو ناز ہے وہ شانِ رضا
کالج و جامعہ مکتب و خانقاہ — ہر جگہ چھڑ گئی داستانِ رضا
رنگ مسعود لائیں تری کاوشیں — آج مغرب بھی ہے مدح خوانِ رضا
دعوت دید دیتا ہے اقوام کو — لہلہاتا ہوا گلستانِ رضا
کچھ جواں سال یہ عزم لے کر اُٹھے — گھوم کے ہم بھی دیکھیں جہانِ رضا
خوب گھومے پھرے پر کنارہ کہاں — کس قدر ہے کشادہ جہانِ رضا
کج روی خود بخود مٹتی جائے گی اب — جادہ پیما ہے پھر کاروانِ رضا
اے زمیں تیر بازوں سے کہدے ذرا — منزلوں دور ہے آسمانِ رضا
وسعتِ علم نکتہ رسی دیکھ کر — دم بخود رہ گئے دشمنانِ رضا
قوتِ فہم تھک ہار کر رہ گئی — پر نہ ہوپائیں حل چیستانِ رضا
ایسا عاشق نظر ہم کو آتا نہیں — عشق سرکار ہے جانِ جانِ رضا

چہ طریقہ بتری ز دُزدانِ دیں
ئست حامی کیے از سگانِ رضا

ترجمۂ کنزالایمان کا لسانی جائزہ (۱۴واں آخری قسط)

از: ڈاکٹر صابر سنبھلی، سیف خان سرائے، سنبھل، مراد آباد

۷۹۔ سورۃ النّٰزعٰت

آیت ۱: علامہ محمود الحسن صاحب نے اس آیتِ مقدسہ کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا۔

''قسم ہے گھسیٹ لانے والوں کی غوطہ لگا کر''

ساتھ ہی شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیں۔

''قسم ہے گھسیٹ لانے والوں کی ڈوب کر''

دونوں ترجمے آیت مقدسہ کی بالکل وضاحت نہیں کرتے۔ جناب علامہ نے ''ڈوب کر'' کو ''غوطہ
'' سے بدل دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی نظر میں ''ڈوب کر'' متروک تھا یا مشکل؛ مگر اس کے باوجود بھی
ہ میں نہیں آتا کہ آیتِ مقدسہ میں کیا فرمایا جا رہا ہے۔ امام احمد رضا نے اس آیت مقدسہ کا جناب
الشریعہ کو فوری طور پر یہ ترجمہ املا کرایا۔

''قسم ہے ان کی کہ سختی سے جان کھینچیں''

جناب علامہ محمود الحسن صاحب کے شاگرد علامہ شبیر احمد عثانی کے گلے سے بھی اپنے اُستاد کا ترجمہ
اُترا تو انہوں نے حاشیے میں اس کی اس طرح وضاحت فرمائی۔ ''یعنی اُن فرشتوں کی قسم جو کافر کی
میں گھس کر اُس کی جان سختی سے گھسیٹ کر نکالیں''۔

امام احمد رضا کا فی الفور لکھایا ہوا ترجمہ پھر پڑھیے اور ساتھ میں جناب شبیر احمد عثانی کی وضاحت
کنزالایمان کا سایہ تفسیر عثانی پر صاف نظر آئے گا۔

آیت ۲: جناب علامہ نے اس آیت پاک کا ترجمہ اس طرح رقم فرمایا۔

''اور بند چھڑانے والوں کی کھول کر''

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے یہ ترجمہ عنایت فرمایا تھا۔

''اور بند چھڑا دینے والوں کی کھول کر''

شاہ صاحب کے سامنے تو زبان کی مجبوری تھی؛ مگر جناب علامہ سے بھی کچھ نہ ہو سکا۔ انہوں نے
دینے'' کو ''چھڑانے'' سے بدلا۔ شاید ''چھڑا دینے'' اُن کے نزدیک متروک یا مشکل تھا۔ مگر بات
وہیں رہی۔ ایک عام قاری کے لیے اردو ترجمہ بھی اتنا ہی مشکل رہا جتنا مشکل اُس کے لیے عربی
۔ امام احمد رضا نے آیت مقدسہ کا یہ ترجمہ املا کرایا۔

''اور نرمی سے بند کھولیں''

جناب علامہ کے ترجمے کی خامی کو ان کے شاگرد اور مفسر جناب عثمانی نے بھی بھانپ لیا۔ اس لیے انہوں نے وضاحت فرمائی۔ ''یعنی جو فرشتے مؤمن کے بدن سے جان کی گرہیں کھول دیں''۔

اس حاشیے پر بھی کنزالایمان کا ہی اثر نظر آرہا ہے۔

آیت ۱۱: جناب علامہ نے اس آیت مبارکہ کا یہ ترجمہ درج بین السطور فرمایا۔

''کیا جب ہو چکیں ہڈیاں کھوکھری''

حیرت کی بات یہ ہے کہ شاہ صاحب کے ترجمے میں بھی لفظ ''کھوکھری'' موجود ہے۔ ہوسکتا ہے یہ سہو کتابت ہو کیونکہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے سورۂ یٰس کی ایک آیت کے ترجمے میں ''کھوکھلی'' تحریر فرمایا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ شاہ صاحب کے ناشر کے ترجمے کا کمال ہو۔ کیونکہ شاہ صاحب کے ترجمے کو جو ناشر دستیاب ہوئے وہ علامہ محمود الحسن صاحب کے ٹولے کے ہی تھے۔ اور کیا تعجب ہے کہ انہوں نے سورۂ یٰس میں ہو چکی غلطی کی خفت مٹانے کے لیے آگے جہاں جہاں ''کھوکھلا'' یا ''کھوکھلی'' لکھا دیکھا اس کو ''کھوکھرا'' اور ''کھوکھری'' بنا دیا ہو۔ ورنہ یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ لفظ مسلمان شرفا کی زبانوں پر کبھی نہیں رہا۔ امام احمد رضا نے اس آیت شریفہ کا یہ ترجمہ املا کرایا۔

''کیا جب گلی ہڈیاں ہو جائیں گے''

۸۰۔ سورۂ عبس

آیت ۲۵: جناب علامہ محمود الحسن صاحب نے آیتِ ہٰذا کا یہ ترجمہ عنایت فرمایا۔

''کہ ہم نے ڈالا پانی اوپر سے گرتا ہوا''

کچھ ایسا ہی ترجمہ حضرت شاہ صاحب نے بھی تحریر فرمایا تھا۔ اُن کا ترجمہ یہ ہے۔

''ہم نے ڈالا پانی اوپر سے گرتا''

''ڈالا'' اور ''گرتا'' دونوں میں سے ایک لفظ بھرتی کا ہے۔ پانی اوپر سے ہی ڈالا جاتا ہے اور نیچے کو گرتا بھی ضرور ہے۔ شاہ صاحب کی زبان تو خیر اردو کے تشکیلی عہد کی زبان تھی مگر جناب علامہ کو ایسی باتوں کی پرکھ ہی نہیں تھی۔ امام احمد رضا نے یہ ترجمہ لکھایا۔

''کہ ہم نے اچھی طرح پانی ڈالا''

آیت ۲۶: جناب علامہ اور شاہ صاحب کا اس آیت کا ترجمہ ایک ہی ہے جو درج ذیل ہے۔

''پھر چیرا زمین کو پھاڑ کر''

اس ترجمے میں بھی یہی خامی ہے جو اس سے پہلے بیان کیے گئے ترجمے میں تھی یعنی ''چیرا'' اور ''پھاڑ کر'' میں سے ایک بھرتی کا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عبارت کے اس عیب (بھرتی یا زوائد) سے جناب

علامہ قطعاً نابلد تھے۔ امام احمد رضا کا ترجمہ یہ ہے۔

''پھر زمین کو خوب چیرا''

۸۱۔ سورۃ التکویر

آیت ا: جناب علامہ نے شاہ عبدالقادر صاحب کے اس آیت کے ترجمے کو اس طرح من وعن نقل فرمایا۔ ''کہ جب سورج کی دھوپ تہہ ہو جائے''

آنکھیں بند کر کے نقل کرتے وقت جناب علامہ کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ دھوپ تو سورج کی ہی ہوتی ہے چاند یا کسی دیگر روشن شے کی دھوپ نہیں ہوتی، اس لیے ترجمے میں سورج کا ذکر کرنا ہی بھرتی کے لفظ کا داخل کرنا ہے۔ یہ اس دعوے کا مزید ثبوت ہے کہ موصوف زبان کی اس خامی سے واقف نہیں تھے۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ املا کرایا۔

''جب دھوپ لپیٹی جائے''

آیت ۷: اس آیت مقدسہ کا جناب علامہ سے موصوف ترجمہ یہ ہے

''اور جب جیوں کے جوڑ باندھے جائیں''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اس آیت مقدسہ کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا۔

''اور جب جئوں کے جوڑ بند ہیں''

(یہ آخری لفظ بندھیں ہوسکتا ہے۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے عہد میں ہائے ملفوظ اور ہائے مخلوط کا املا ایک ہی تھا۔)

شاہ صاحب کے عہد میں ''دل'' اور ''جان'' کو ''جی'' بولا اور لکھا جاتا تھا؛ مگر جناب علامہ کے عہد کی تحریری زبان میں بمعنی ''جان'' اس کا رواج کم ہوتے ہوتے ترک ہونے کے قریب آ گیا تھا۔ (اگرچہ بمعنی دل صحیح اور فصیح ہے اور اب بھی بولا جاتا ہے)؛ مگر پھر بھی جناب علامہ نے اپنے وعدے کے مطابق اس کو بدلا نہیں۔ امام احمد رضا نے اس آیت مقدسہ کا یہ ترجمہ لکھایا۔

''اور جب جانوں کے جوڑ بنیں''

۸۲۔ سورۃ الانفطار

آیت ۶: جناب علامہ سے منسوب ترجمہ اس طرح ہے۔

''اے آدمی کس چیز سے بہکا تو اپنے رب کریم پر''

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس آیت کا یہ ترجمہ ارقام فرمایا تھا:

''اے آدمی کا ہے سے بہکا تو اپنے رب کریم پر''

اور امام احمد رضا نے یہ ترجمہ لکھایا۔

''اے آدمی تجھے کس چیز نے فریب دیا اپنے کرم والے رب سے''

قارئین خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ صحیح اور فصیح اردو میں کون سا ترجمہ ہے

آیت ۱۶: جناب علامہ نے اس آیت مبارکہ کا یہ ترجمہ بین السطور میں درج فرمایا۔

''اور نہ ہوں گے اُس سے جدا ہونے والے''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے

''اور نہ ہوں گے اُس سے چھپ رہنے والے''

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا۔

''اور اُس سے کہیں نہ چھپ سکیں گے''

جناب علامہ اور امام احمد رضا کی زبان پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔ زبانیں خود ہی بول رہی ہیں؛ لیکن فقیر یہاں ایک بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہے۔ جناب علامہ کے مفسر علامہ شبیر احمد عثمانی کے مطابق ''اُس'' سے مراد جنت ہے جبکہ امام احمد رضا کے ترجمے سے واضح ہے کہ لفظ ''اُس'' سے اُن کی مراد ذات خدائے تعالیٰ ہے۔ چونکہ یہ تفسیر کا معاملہ ہے۔ اس لیے فقیر حقیر کے دائرۂ کار سے خارج ہے۔ تفسیر سے ذوق رکھنے والوں کی تحقیق کے لیے اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

۸۳۔ سورۃ المطففین

آیت ۲۶: جناب علامہ نے شاہ صاحب کا کیا ہوا اس آیت کا ترجمہ اپنے نسخے میں اس طرح نقل فرمایا۔ ''اور اُس پر چاہیے کہ ڈھکیں ڈھکنے والے''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے نسخے میں ''ڈھکیں ڈھکنے والے'' کی بجائے ''ڈھکیں ڈھکنے والے'' ہے۔ جناب علامہ نے صرف املا بدل کر ترجمہ اپنا کر لیا؛ مگر بہت بڑی ٹھوکر کھائی۔ بالکل واضح نہیں ہوتا کہ جناب علامہ نے عربی متن اور شاہ صاحب کے ترجمے کا کیا مفہوم بر آمد کیا۔ ''ڈھکنا'' کے معنی تو سرپوش، ڈھکن، چھپانا، پوشش کرنا وغیرہ کے آتے ہیں۔ مگر ان لفظوں میں سے یہاں کسی کا موقع نہیں ہے۔ لغات میں ایک مصدر ''ڈھکانا'' ہے، جو متعدی ہے۔ ممکن ہے شاہ صاحب کے عہد کی دلی میں کوئی مصدر ''ڈھکنا'' بھی رائج رہا ہو۔ جس کا متعدی لغات میں باقی رہ گیا۔ اغلب ہے کہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے وہی مصدر استعمال کیا ہو، جس کو اپنی عظیم زباندانی اور علامیت کے باعث جناب علامہ نے یہ سمجھ لیا کہ شاہ صاحب نے اپنے عہد کے املا میں ''ڈھکیں ڈھکنے والے'' لکھا ہوگا اور انہوں نے اپنی قابلیت کے زعم میں اصلاح کا قلم چلا دیا۔ جس سے ترجمہ مہمل ہوگیا۔ اس بات کو شاید اُن کے شاگرد جناب شبیر احمد عثمانی نے بھانپ لیا اور استاد کے ترجمے کی وضاحت کیے بغیر اس طرح لیپا پوتی کا فریضہ انجام دیا۔ ''یہ شراب طہور ہے۔ جس کی طرف لوگوں کو ٹوٹ پڑنا چاہیے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش ہونی چاہیے'' مگر جناب علامہ کے نام نہاد

ترجمے سے یہ کیا کوئی بھی معنی حاصل نہیں ہوتے۔

اس وقت ایک اور نقطہ بھی خیال میں آتا ہے۔ ممکن ہے شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے "ڈہلیں ڈہلنے والے" لکھا ہو۔ جس کو آج کل کے املا میں "ڈھلیں ڈھلنے والے" لکھا جائے گا۔ "ڈھلنا" مصدر کے معنی ہیں متوجہ ہونا، مائل ہونا۔ اگر شاہ صاحب کا ترجمہ یہی تھا تو بالکل ابہام نہیں ہے۔ اگر ایسا ہے تو لیتھو کی چھپائی یا اُس کی کتابت میں "ل" کا "ک" بن جانا بعید از قیاس نہیں؛ مگر جناب علامہ کی لیاقتِ زباندانی بے پناہ تھی اس لیے انہیں ان باتوں پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ بس شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ترجمے کی اصلاح کردی۔ مفہوم کچھ برآمد ہو یا نہ ہو اس کے لیے وہ ذمّے دار نہیں۔ امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا۔

"اور اُس پر چاہیے کہ للچائیں للچانے والے"

آیت ۲۹: جناب علامہ کا شاہ صاحب کے ترجمے سے اخذ کیا ہوا ترجمہ یہ ہے۔

"وہ لوگ جو گنہگار ہیں تھے ایمان والوں سے ہنسا کرتے"

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے یہ ترجمہ عنایت فرمایا تھا۔

"وہ جو گنہگار ہیں وہ تھے ایمان والوں سے ہنستے"

امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ املا کرایا۔

"بے شک مجرم لوگ ایمان والوں سے ہنسا کرتے تھے"

۸۴۔ سورۃ الانشقاق

آیت ۲: جناب علامہ کے نسخے میں اس آیت شریفہ کا یہ ترجمہ درج ہے:

"اور سُن لے حکم اپنے رب کا اور وہ آسمان اسی لائق ہے"

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے:

"اور سُن لے حکم اپنے رب کا اور اسی لائق ہے"

شاہ صاحب نے یہاں آسمان کا ذکر اس لیے نہیں کیا تھا کہ اس کا ذکر اس سے پچھلی آیت ہو چکا تھا۔ جناب علامہ نے اس لفظ کی تکرار کی پھر بھی ترجمہ واضح نہیں ہوا۔ امام احمد رضا بریلوی نے اس آیت کا فوری طور پر یہ ترجمہ لکھایا۔

"اور اپنے رب کا حکم سنے اُسے سزاوار ہی یہ ہے"

آیت ۵ کے ترجمے کا بھی یہی حال ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ آیت مذکورہ بالا میں آسمان کے بارے میں فرمایا گیا ہے اور اس آیت میں زمین کے بارے میں۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ اور امام احمد رضا نے اس آیت کے ترجمے بھی وہی کیے ہیں جو درج بالا آیت کے ہیں۔ بغیر کسی کمی بیشی کے جناب علامہ

نے ترجمے میں زمین کو بھی داخل کر دیا ہے۔

آیت ۲۳: جناب علامہ نے شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ترجمہ قرآن سے اس آیت کا ترجمہ نقل کر کے اس طرح لکھا ہے۔

''اور اللہ خوب جانتا ہے جو اندر بھر رکھتے ہیں'' (شاہ صاحب کے ترجمے کی نقل مطابق اصل)

امام احمد رضا نے اس آیت پاک کا یہ ترجمہ جناب صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کو فوری طور پر املا کرایا۔

''اور اللہ خوب جانتا ہے جو اپنے جی میں رکھتے ہیں''

۸۵۔سورۃ البروج

آیت ۲ و ۳ و ۴: جناب علامہ نے ان تینوں آیتوں کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا۔

''اور (قسم) اُس دن کی جس کا وعدہ ہے اور اُس دن کی جو حاضر ہوتا ہے اور اُس کی جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے۔

''اور (قسم) اُس دن کی جس کا وعدہ ہے اور حاضر ہونے والے کی اور جس کے پاس حاضر ہو ویں''

امام احمد رضا کا فی الفور لکھایا ہوا ترجمہ یہ ہے۔

''اور قسم اُس دن کی جس کا وعدہ ہے اور اُس کی جو گواہ ہے اور اُس دن کی جس میں حاضر ہوتے ہیں''

(واضح ہو کہ تراجم میں لفظ ''قسم'' موجود نہیں ہے۔ یہ آیت نمبر ا میں ہے۔ یہاں صرف تفہیم کی غرض سے قوسین میں لکھ دیا گیا ہے)

ترجمہ کنزالایمان میں زبان کی صفائی قابلِ داد ہے

۸۶۔سورۃ الطارق

آیت ۹: جناب علامہ نے اس آیت پاک کا ترجمہ شاہ صاحب کے ترجمے میں خفیف سا فرق کر کے یوں تحریر فرمایا۔ ''جس دن جانچے جائیں بھید''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا عنایت کردہ ترجمہ یوں ہے

''جس دن جانچے جاویں بھید''

اور امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا۔

''جس دن چھپی باتوں کی جانچ ہوگی''

ترجمے کی خوبی واضح ہے۔ تبصرے کی ضرورت نہیں۔

۸۷۔ سورۃ الاعلیٰ

آیت ۱: جناب علامہ محمود الحسن نے شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ترجمے میں معمولی سا تصرف کر کے یوں نقل فرمایا۔

''پاکی بیان کر اپنے رب کے نام کی جو سب سے اوپر''

ساتھ میں شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیں۔

''پاکی بول اپنے رب کے نام کی جو سب سے اوپر''

قارئین کرام اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جناب علامہ محمود الحسن نے ترجمہ نگاری میں کتنی محنت کی ہے۔ اب اُن کی علمیت کی بھی داد دینی چاہیے کہ وہ ''بولنا'' کو متروک یا مشکل سمجھتے تھے اسی لیے ''بول'' کی جگہ ''بیان کر'' لائے۔ امام احمد رضا کا فی الفور لکھایا ہوا ترجمہ یہ ہے۔

''اپنے رب کے نام کی پاکی بولو جو سب سے بلند ہے''

لفظ ''اوپر'' سے جو ایک فاسد معنی پیدا ہو سکتے تھے ''کنزالایمان'' میں اُن کا شائبہ بھی نہیں ہے۔

آیت ۸: جناب علامہ محمود الحسن نے اس آیت کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب کے مصحف سے صرف ایک حرف کا تصرف کر کے اس طرح نقل فرمایا۔

''اور سہج سہج پہنچائیں گے ہم تجھ کو آسانی تک''

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے اس آیت کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا۔

''اور سہج سہج پہنچادیں گے ہم تجھ کو آسانی تک''

جناب علامہ نے یہ کیا کہ شاہ صاحب کے حرف ''دال'' کو ''ہمزہ'' سے بدل دیا اور ہو گئے مترجم (واضح ہو کہ شاہ صاحب کے ترجمے میں یہ لفظ ''پہنچادیں گے'' بالدال ہی ہے۔ گمان غالب ہے کہ ''یہ پہنچاویں گے'' بالواؤ ہوگا۔ کیونکہ جناب علامہ شاہ صاحب کے ''واؤ'' کو ہی ہمزہ سے بدلا کرتے ہیں۔ لیتھو کی کتابت اور طباعت میں ''دال'' اور ''واؤ'' کا امتیاز ذرا مشکل ہوتا تھا)

امام احمد رضا نے صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کو اس آیت کا یہ ترجمہ املا کرایا

''اور ہم تمہارے لیے آسانی کا سامان کردیں گے''

ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے پہلے دو ترجمے غیر زبان والوں نے کیے ہیں اور تیسرا ترجمہ اردو کے کسی ماہر زبان نے کیا ہے۔

۸۸۔ سورۃ الغاشیہ

آیت ۲۲: امام احمد رضا نے اس آیت شریفہ کا یہ ترجمہ املا کرایا تھا۔

''تم کچھ اُن پر کڑوڑا نہیں''

لفظ ''کڑوڑا'' پر کافی بحث ہو چکی ہے۔ (اگر کوئی اس کو مزید طول دینا چاہے تو فقیر ہمہ وقت تیار ہے) مگر اس آیت کو یہاں اس واسطے زیر بحث لانا پڑا کہ ''فاضل بریلوی کا مشن'' کے مصنف نے اس آیت کا کوئی حوالہ نہیں دیا تھا۔ یا تو یہاں آکر ان کی نظر چوک گئی یا پھر یہ وجہ ہو کہ اس میں لفظ ''کڑوڑا'' ''وکیل'' کا ترجمہ نہیں بلکہ ''مُصَیۡطِرٍ'' کا ترجمہ ہے۔ طویل بحث سے بہتر یہ ہے کہ اب تک کنزالایمان کا جن دونوں ترجموں سے موازنہ ہوتا رہا ہے اُن کو بھی یہاں نقل کر دیا جائے۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے جو ترجمہ تحریر فرمایا تھا بالکل وہی جناب علامہ نے اپنے نسخے میں نقل کر لیا ہے۔ وہ ترجمہ یہ ہے۔

''تم نہیں ان پر داروغہ''

جناب علامہ محمود الحسن اس سے پہلی آیت کے ترجمے میں تحریر فرماتے ہیں۔

''سو تو سمجھائے جا تیرا کام تو یہی سمجھانا ہے''

اور علامہ شبیر احمد عثمانی اس ترجمے کی شرح اس طرح فرماتے ہیں:

''اگر یہ نہیں سمجھتے تو کوئی آپ اُن پر داروغہ بنا کر مسلط نہیں کیے گئے ہیں کہ زبردستی منوا کر چھوڑیں اور اُن کے دلوں کو بدل ڈالیں''

اگر کسی کو عثمانی صاحب کی اس رائے سے اتفاق ہے تو اُسے یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ کیا کوئی داروغہ حضور رسول اکرم ﷺ سے ضد کی حد تک مخالفت رکھنے والے سرداران قریش کے مثل لوگوں سے زبردستی اپنی بات منوا سکتا ہے؟ (غور طلب ہے کہ جناب علامہ نے یہ ترجمہ برٹش عہد میں تیار کیا تھا۔ اُس وقت کلکٹر، کمشنر، ایس پی کے عہدے بھی ہوتے تھے۔ اگر وہ داروغہ کی جگہ کلکٹر، کمشنر، ایس۔ پی جیسے کسی عہدے دار کا مذکور کر دیتے تو اُن کی بات کا وزن بڑھ جاتا۔ یا گورنر، لاٹ صاحب، ریزیڈینٹ جیسے کسی اعلیٰ عہدے کا نام بجائے داروغہ لکھ دیتے تو بات کچھ اور بہتر ہو جاتی؛ مگر خدا جانے وہ داروغہ کو کیا سمجھتے تھے کہ ایسے موقع پر اُس کے عہدے کا ذکر کیا ہے۔ یا پھر انہوں نے شاہ صاحب کی نقل مارنے پر اکتفا کی۔ رہا شاہ صاحب کا اس موقع پر داروغہ لکھنا تو بارہا لکھا جا چکا ہے کہ اُس عہد میں زبان کی بڑی مجبوری تھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ شاہ صاحب کے عہد میں داروغہ کی اہمیت اب کے مقابلے میں زیادہ ہو۔)

یہ جملہ ہائے معترضہ بیچ میں آگئے۔ پھر اُسی مقام پر آئیے جہاں گفتگو ہو رہی تھی۔ سوال یہ بھی ہے کہ کیا کوئی داروغہ لوگوں کے دلوں کو بدلنے کی قوت رکھتا ہے۔ اگر اس سوال کا جواب ''ہاں'' میں ہے تو جناب علامہ کا ترجمہ درست ہونے میں کلام نہیں اور اگر جواب ''نہیں'' میں ہے تو پھر امام احمد رضا کے ترجمے کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لینا چاہیے۔ اور اگر وہ لوگ اس طرح سمجھانے سے نہیں مانتے تو سوچ کر بتائیں کہ کسی داروغہ کے کہنے سے کوئی بات مان سکتے ہیں یا نہیں؟

اگر غور و فکر کے بعد جواب ''ہاں'' میں آتا ہے تو یہ بتائیں کہ اگر کوئی داروغہ ''فاضل بریلوی کا

مشن'' کے مصنف اور ان کے ہم نواؤں سے کہے کہ وہ مسلک امام احمد رضا پر گامزن ہو جائیں تو کیا وہ ایسا کریں گے؟ اگر اس سوال کا جواب ''ہاں'' میں ہو تو فقیر بھی جناب علامہ محمود الحسن کے ترجمے کی تائید کرے گا اور اگر جواب ''نہیں'' میں ہے تو کیا وہ ابوجہل، ابولہب، عتبہ اور شیبہ سے بھی زیادہ کٹر پنتھی ہیں؟ جن کے ایک داروغہ کے کہنے سے فہمائش کا امکان تھا مگر ان کے لیے یہ ناممکن ہے۔

ہوسکتا ہے جواب میں راقم سے بھی یہی سوال کیا جائے کہ کیا ''کروڑا'' ایسی پاور رکھتا تھا؟ تو جواباً عرض ہے کہ موجودہ عہد میں تو ''کروڑا'' کا عہدہ ہوتا ہی نہیں (معلوم ہو کہ یہ مسلم عہد حکومت کا عہدہ تھا) جس عہد میں تھا اُس کے حکم سے سرتابی کی گنجائش کم لوگوں میں تھی۔

۸۹۔ سورۃ الفجر

آیت ۱۳: جناب علامہ نے اس آیت شریفہ کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے سے اس طرح ہو بہو نقل فرمایا ہے۔

''پھر پھینکا اُن پر تیرے رب نے کوڑا عذاب کا''

''کوڑا مارنا'' تو زبان ہے۔ ''کوڑا پھینکنا'' کہاں کی اردو ہے فقیر کے علم میں نہیں۔

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ لکھایا۔

''تو اُن پر تمہارے رب نے عذاب کا کوڑا بقوت مارا''

آیت ۲۲: جناب علامہ کے مصحف میں اس آیت کا یہ ترجمہ درج ہے

''اور آئے تیرا رب اور فرشتے آئیں قطار قطار''

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا۔

''اور آوے تیرا رب اور فرشتے قطار قطار''

دونوں ترجمے مبہم ہیں۔ کوئی مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں ''آوے تیرا رب'' ایسا فقرہ ہے جس پر مفتیانِ کرام ہی کچھ حکم صادر فرما سکتے ہیں۔ فقیر کو یہ بات تسلیم نہیں کہ رب تعالیٰ کہیں آتا جاتا ہے۔ امام احمد رضا نے یہ ترجمہ قلمبند کرایا۔

''اور تمہارے رب کا حکم آئے اور فرشتے قطار قطار''

۹۰۔ سورۃ البلد

آیت ۳: جناب علامہ نے آیت ہٰذا کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا۔

''اور قسم ہے جنتے کی اور جو اُس نے جنا''

اور شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے۔

''اور جنتے کی اور جو جنا''

جناب علامہ نے اس آیت کے ترجمے میں کچھ وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے؛ مگر بات پھر بھی بالکل سمجھ میں نہیں آتی۔ فقیر کو اس ترجمے پر کوئی تبصرہ کرنا نہیں ہے۔ امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمالیجیے اور خود فیصلہ کیجیے۔ امام صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔

"اور تمہارے باپ ابراہیم کی قسم اور اُس کی اولاد کی کہ تم ہو"

آیت ۲۰: جناب علامہ نے آیت مبارکہ کا درج ذیل ترجمہ رقم فرمایا۔

"اُنہی کو آگ میں موند دیا ہے"

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے یہ ترجمہ فرمایا تھا۔

"اُنہیں کو آگ میں موندا ہے"

ممکن ہے دو چار فیصد حضرات ترجمے کو سمجھ گئے ہوں، جو نہیں سمجھے اُن کو کون سمجھائے گا۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ املا کرایا۔

"اُن پر آگ ہے کہ اس میں ڈال کر اوپر سے بند کردی گئی"

۹۱۔ سورۃ الشمس

آیت ۱: اس آیت شریفہ کا جناب علامہ محمود الحسن نے یہ ترجمہ تحریر فرمایا۔

"قسم سورج کی اور اُس کے دھوپ چڑھنے کی"

خط کشیدہ اضافت (کے) کا مضاف دھوپ ہے اور دھوپ بلا اختلاف مؤنث ہے۔ اس لیے عبارت میں "کے" کی جگہ "کی" ہونا چاہیے تھا۔ البتہ جناب علامہ کی رائے میں دھوپ اگر مذکر ہے تو ترجمے کی زبان میں کوئی خامی نہیں ہے؛ مگر ایسی رائے اسی شخص کی ہوسکتی ہے جو کسی دوسری دنیا میں رہتا ہو۔ اغلب یہ ہے کہ انہیں حروف اضافت کا سلیقہ بھی نہیں تھا اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے میں یہ خامی نہیں تھی۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا۔

"قسم ہے سورج کی اور اُس کی دھوپ چڑھنے کی"

یہ ترجمہ جناب علامہ کو غلط معلوم ہوا تبھی تو انہوں نے اصلاح فرمائی؛ مگر ایسی اصلاح کہ زبان کی لٹیا ہی ڈبو دی۔ امام احمد رضا نے اس آیت مبارکہ کا یہ ترجمہ املا کرایا تھا۔

"سورج اور اُس کی روشنی کی قسم"

۹۲۔ سورۃ الیل

آیت ۷: جناب علامہ نے اس آیت پاک کا یہ ترجمہ جناب شاہ عبدالقادر کے ترجمے سے ایک لفظ بدل کر نقل فرمایا:

"تو اُس کو ہم سہج سہج پہنچا دیں گے آسانی میں"

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے۔

''سو اُس کو ہم سہج سہج پہنچا دیں گے آسانی میں''

سہج سہج بہت زمانے سے تحریر میں استعمال نہیں ہوتا۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا فی الفور یہ ترجمہ ارشاد فرمایا۔

''تو بہت جلد ہم اُسے آسانی مہیا کر دیں گے''

۹۳۔ سورۃ الضحیٰ

آیت ۱و۲: جناب علامہ نے ان دونوں آیتوں کا ترجمہ صرف ایک حرف بدل کر شاہ صاحب کے نسخے سے یوں نقل فرمایا۔

''قسم دھوپ چڑھتے وقت کی اور رات کی جب چھا جائے''

شاہ صاحب نے ''چھا جاوے'' لکھا تھا۔ جناب علامہ نے ''واؤ'' کو ''ہمزہ'' سے بدل کر ترجمے پر قبضہ کرلیا۔ غور طلب یہ ہے کہ ''رات چھا جانا'' اہل زبان کا روزمرہ نہیں ہے۔ اندھیرا چھا جانا، تاریکی چھا جانا، بادل چھا جانا تو استعمال میں ہیں۔ ''رات چھا جانا'' کہیں تحریر میں نظر نہیں آیا۔ امام احمد رضا نے اس آیت پاک کا یہ ترجمہ قلم بند کرایا۔

''چاشت کی قسم اور رت کی جب پردہ ڈالے''

۹۴۔ سورۃ الانشراح

آیت ۱: جناب علامہ نے شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا کیا ہوا اس آیت کا ترجمہ حرف بہ حرف اُٹھا کر اپنے نسخے میں رکھ لیا، جو یوں ہے۔

''کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ''

ترجمے کو پڑھنے والا ہر شخص عالم یا سُلجھا ہوا نہیں ہوتا۔ کم پڑھے بلکہ ابجد خواں بھی ترجمہ پڑھتے ہیں۔ کوئی ایسا کم علم اس ترجمے سے یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ قمیص کے سارے بٹن کھول دیے۔ یہ ترجمے کی خامی ہے۔ امام احمد رضا نے فی الفور یہ ترجمہ املا کرایا۔

''کیا ہم نے تمہارے لیے سینہ کشادہ نہ کیا''

۹۵۔ سورۃ والتین

آیت ۴و۵: جناب علامہ نے ان دونوں آیتوں کا ترجمہ جناب شاہ عبدالقادر کے ترجمے سے من و عن نقل کیا، جو یوں ہے۔

''ہم نے بنایا آدمی خوب سے اندازے پر پھر پھینک دیا اُس کو نیچوں سے نیچے''

اگر ''نیچے سے نیچے'' ہوتا تو ایک بات تھی۔ نیچوں سے نیچے تو مروّج ہی نہیں ہے۔ امام احمد رضا

نے دونوں آیتوں کا یہ ترجمہ املا کرایا۔

''بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا پھر اُسے ہر نیچی سے نیچی سی حالت کی طرف پھیر دیا''

۹۶۔ سورۃ العلق

آیت ۶ و ۷: علامہ محمود الحسن صاحب نے اِن آیتوں کا شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ترجمے کو دیکھ کر یہ ترجمہ تحریر فرمایا۔

''کوئی نہیں آدمی سر چڑھتا ہے اس سے کہ دیکھے اپنے آپ کو بے پروا''

شاہ عبدالقادر صاحب نے ان آیتوں کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا۔

''کوئی نہیں آدمی سر چڑھتا ہے اس سے کہ دیکھے ہے آپ کو محفوظ''

کیا فرمایا گیا ہے ہر کسی کے لیے اس کا سمجھنا آسان نہیں۔ امام اہل سنت نے یہ ترجمہ مرحمت فرمایا۔

''ہاں ہاں بے شک آدمی سرکشی کرتا ہے اس پر کہ اپنے آپ کو غنی سمجھ لیا''

۹۷۔ سورۃ القدر

آیت ۴: جناب علامہ نے آیت ہٰذا کے تحت شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا تحریر فرمایا ہوا یہ ترجمہ ہو بہو نقل فرمالیا۔

''اُترتے ہیں فرشتے اور روح اُس میں اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر''

امام احمد رضا نے آیت ہٰذا کا یہ ترجمہ املا کرایا۔

''اس میں فرشتے اور جبریل اُترتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے''

۹۸۔ سورۃ البینہ

آیت ۲: اس آیت شریفہ کا ترجمہ جناب علامہ کے مترجمہ قرآن کریم مطبوعہ سعودی عرب میں یوں درج ہوا ہے۔ ''ایک رسول اللہ کا پڑھتا ہوا ورقِ پاک''

اور جس ترجمے میں ایک لفظ بڑھا کر جناب علامہ نے اس کو اپنایا ہے یعنی شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ وہ اس طرح ہے۔ ''ایک رسول اللہ کا پڑھتا ورق پاک''

امام احمد رضا نے آیت کا یہ صاف اور رواں ترجمہ فوری طور پر جناب صدر الشریعہ کو قلم بند کرایا۔

''وہ کون وہ اللہ کا رسول کہ پاک صحیفے پڑھتا ہے''

۹۹۔ سورۃ الزلزال

آیت ۱: جناب علامہ نے شاہ صاحب کے ترجمے میں معمولی سا تصرّف کر کے اس آیت کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا۔

''جب ہلا ڈالے زمین کو اُس کے بھونچال سے''

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے اس آیت کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا۔

"جب ہلائے زمین کو اُس کے بھونچال سے"

امام احمد رضا نے آیت ہذا کا یہ ترجمہ ارشاد فرمایا۔

"جب زمین تھر تھرادی جائے جیسا اُس کا تھر تھرانا ٹھہرا ہے"

۱۰۰۔ سورۃ العٰدیٰت

آیت ۲: جناب علامہ نے اس آیت عظیمہ کا ترجمہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ترجمے میں معمولی سی تصرف کے بعد اس طرح تحریر فرمایا۔

"پھر آگ سلگانے والے جھاڑ کر"

واضح ہو کہ اس آیت سے پہلے یعنی آیت نمبر ۱ میں دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم ارشاد فرمائی گئی ہے۔ اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس آیت کے ترجمے کو پڑھا جائے تو نہ تو دونوں آیتوں میں کسی ربط یا تال میل کا پتہ چلتا ہے اور نہ کوئی بات واضح ہوتی ہے۔ جب کہ کلامِ الٰہی مربوط ہے۔ یہ سب ایک قدیم ترجمے کو بغیر غور و فکر کے نقل کرنے کا نتیجہ ہے۔ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے اس آیت مکرمہ کا اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں یہ ترجمہ ارشاد فرمایا تھا۔

"پھر آگ سلگاتے جھاڑ کر"

امام احمد رضا نے حضرت صدر الشریعہ کو اس آیتِ مکرمہ کا یہ ترجمہ املا کرایا۔

"پھر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں سُم مار کر"

۱۰۱۔ سورۃ القارعہ

آیت ۱: اس ہفت حروفی آیت مبارکہ کے تراجم جناب علامہ شاہ عبدالقادر اور امام احمد رضا نے علی الترتیب اس طرح عنایت فرمائے۔ پڑھیے اور خود فیصلہ فرمائیے۔

۱۔ "وہ کھڑکھڑا ڈالنے والی" ۲۔ "وہ کھڑکھڑاتی" ۳۔ "دل دہلانے والی"

۱۰۲۔ سورۃ التکاثر

آیت ۳: جناب علامہ نے آیت ہذا کا درج ذیل ترجمہ شاہ صاحب کے ترجمے سے ہو بہو نقل فرما کر تحریر فرمایا۔

"کوئی نہیں آگے جان لوگے"

اور امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا تھا

"ہاں ہاں جلد جان جاؤ گے"

۱۰۳۔ سورۃ العصر

آیت ۱: اس ایک لفظی آیت کا ترجمہ جناب علامہ نے یوں تحریر فرمایا:

"قسم ہے عصر کی"

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اس کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا

"قسم ہے اُترتے دن کی"

چونکہ دن ڈھلتے یا اُترتے وقت عصر کی نماز کا وقت ہوتا ہے اور آیت کا متن (عربی میں) "والعصر" ہے اس لیے جناب علامہ نے بے دھڑک مذکورہ ترجمہ فرما دیا۔ امام احمد رضا نے اس آیت پاک کا یہ عارفانہ ترجمہ املا کرایا۔ "اس زمانۂ محبوب کی قسم"

۱۰۴۔ سورۃ الھمزۃ

آیت ا: جناب علامہ نے شاہ صاحب کے ترجمے میں اصلاح فرما کر اس آیت کریمہ کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا: "خرابی ہے ہر طعنہ دینے والے عیب چُننے والے کی"

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اپنے عہد کے روزمرّہ میں یہ سیدھا سادہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا۔

"خرابی ہے ہر طعنہ دیتے عیب چنتے کی"

امام اہل سنت نے جناب صدر الشریعہ کو آیت ہذا کا یہ نفیس ترجمہ املا کرایا۔

"خرابی ہے اُس کے لیے جو لوگوں کے منہ پر عیب کرے پیٹھ پیچھے بدی کرے"

آیت ۳: جناب علامہ نے اس آیت مبارکہ کا ترجمہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ترجمے میں ایک لفظ بڑھا کر اس طرح تحریر فرمایا۔

"خیال کرتا ہے کہ اُس کا مال سدا کو رہے گا اُس کے ساتھ"

"سدا" کے بعد "کو" (خط کشیدہ میں) کا اضافہ جناب علامہ کا کیا ہوا ہے۔ شاہ صاحب کے ترجمے میں یہ لفظ نہیں ہے اور بلاشبہ اس لفظ نے ترجمے کو خراب کر دیا۔ "سدا" کے بعد "کو" آج روزمرّہ ہے نہ علامہ کے عہد میں تھا۔ "سدا کے لیے" ہوتا تو درست ہوتا؛ مگر جناب علامہ کے خیال شریف میں یہ بات نہیں آئی۔ انہیں ترجمے کو اپنا بنانے کے لیے کچھ نہ کچھ گھٹانا یا بڑھانا بھی تھا۔ اسی لیے ایک لفظ بڑھایا اور ترجمے کی تجدید کے بجائے تخریب کر دی۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ لکھایا

"کیا یہ سمجھتا ہے کہ اُس کا مال اُسے دنیا میں ہمیشہ رکھے گا"

۱۰۵۔ سورۃ الفیل

آیت ا: معمولی سے تصرّف کے ساتھ جناب علامہ نے اس آیت حکیمہ کا ترجمہ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کے ترجمے سے یوں نقل فرمایا۔

"کیا تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ"

لگے ہاتھوں اس آیت حکیمہ کا شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرما لیجیے تا کہ جناب علامہ

کی محنت کا اندازہ ہو۔ اُن کا ترجمہ یہ ہے:

''کیا تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے ان ہاتھی والوں سے''

اب امام احمد رضا کا فی الفور (آیت سن کر) لکھایا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

''اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تمہارے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا''

آیت ۲: حضرت علامہ نے اس آیت مجیدہ کے ذیل میں شاہ صاحب کے ترجمے میں ذرا سا تصرف فرما کر یوں تحریر فرمایا۔

''کیا نہیں کر دیا اُن کا داؤ غلط''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے

''نہ کر دیا اُن کا داؤ غلط''

اور امام احمد رضا کا ترجمہ یہ ہے۔

''کیا اُن کا داؤں تباہی میں نہ ڈالا''

۱۰۶۔ سورۂ قریش

آیت ۱: جناب علامہ کے مصحف میں آیت ہذا کا یہ ترجمہ درج ہے۔

''اس واسطے کہ مانوس رکھا قریش کو''

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے اس آیت حمیدہ کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا۔

''اس واسطے کہ ہلا رکھا قریش کو''

واضح ہو کہ ''ہل جانا''، ''ہلانا'' (متعدی) اور ہلا رکھنا (متعدی) آج بھی مروج ہیں، متروک نہیں امام احمد رضا کی زبان پر آیت سنتے ہی یہ ترجمہ جاری ہوگیا۔

''اس لیے کہ قریش کو میل دلایا''

۱۰۷۔ سورۂ الماعون

آیت ۱: علامہ محمود الحسن صاحب نے اس آیت مبارکہ کا ترجمہ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کے ترجمے میں تصرف کر کے یوں نقل فرمایا۔

''تو نے دیکھا اُس کو جو جھٹلاتا ہے انصاف ہونے کو''

شاہ صاحب قبلہ نے یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا

''تو نے دیکھا وہ جو جھٹلاتا ہے انصاف ہونا''

اور امام احمد رضا نے یہ ترجمہ مرحمت فرمایا۔

''بھلا دیکھو تو جو دین کو جھٹلاتا ہے''

۱۰۸۔ سورۃ الکوثر

آیت ا: جناب علامہ محمود الحسن نے اس آیت کا ترجمہ ایک لفظ کے اضافے کے ساتھ شاہ صاحب کے ترجمے سے یوں نقل فرمایا۔

''بے شک ہم نے دی تجھ کو کوثر''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ بھی یہی تھا یعنی

''ہم نے دی تجھ کو کوثر''

''کوثر'' لغت نویسوں، اہل زبان اور شعراء میں بالاتفاق مذکر ہے۔ عوام میں بھی مذکر ہی مستعمل ہے۔ البتہ ''نہر'' یا ''حوض'' کے ساتھ تانیث کے صیغے میں بولا اور لکھا جاتا ہے؛ مگر وہ تانیث کوثر کی نہیں ہوتی بلکہ نہر یا حوض کی ہوتی ہے۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اپنے عہد کی ٹوٹی پھوٹی زبان میں جو ترجمہ کیا تھا اُس کی تصحیح کی جانب جناب علامہ نے یا تو توجہ نہیں دی یا وہ اس غلطی کو سمجھے ہی نہیں۔ چاہتے تو ٹھیک کر سکتے تھے۔ یہ کچھ دشوار نہیں تھا۔

امام احمد رضا نے آیت ہٰذا کا یہ ترجمہ املا کرایا۔

''اے محبوب بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں''

۱۰۹۔ سورۃ الکفرون

آیت ا: جناب علامہ نے اس آیت کا شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا لکھا ہوا ترجمہ لفظ بہ لفظ اس طرح نقل فرمالیا۔

''تو کہہ اے منکرو''

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا۔

''تم فرماؤ اے کافرو''

۱۱۰۔ سورۃ النصر

آیت ا: جناب علامہ کے مصحف میں آیت ہٰذا کا یہ ترجمہ درج ہے۔

''جب پہنچ چکے مدد اللہ کی اور فیصلہ''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے یہ ترجمہ ارشاد فرمایا تھا۔

''جب پہنچ چکی مدد اللہ کی اور فیصلہ''

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ لکھایا۔

''جب اللہ کی مدد اور فتح آئے''

۱۱۱۔ سورۃ لہب

آیت ا: جناب علامہ نے اس آیت کا ترجمہ شاہ صاحب کے ترجمے سے اس طرح لفظ بہ لفظ نقل

فرمایا۔ ''ٹوٹ گئے ہاتھ ابی لہب کے اور ٹوٹ گیا وہ آپ''

امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ ارشاد فرمایا۔

''تباہ ہو جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ ہو ہی گیا''

آیت ۳: جناب علامہ نے اس آیت شریف کا ترجمہ شاہ صاحب کے ترجمے میں ایک لفظ بدل کر اس طرح تحریر فرمایا۔

''اب پڑے گا ڈیگ مارتی آگ میں''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا۔

''اب بیٹھے گا ڈیگ مارتی آگ میں''

جناب علامہ نے ''بیٹھے'' کو ''پڑے'' سے بدل دیا مگر ڈیگ کو ایسے ہی رہنے دیا۔ امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا۔

''اب دھنتا ہے لپٹ مارتی آگ میں وہ''

۱۱۲۔ سورۃ الاخلاص

آیت ۱: آیت ہذا کا ترجمہ جناب علامہ نے شاہ صاحب کے ترجمے سے لفظ بہ لفظ نقل کر کے اس طرح تحریر فرمایا۔

''تو کہہ وہ اللہ ایک ہے''

امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ لکھایا۔

''تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے''

تبصرے کی ضرورت نہیں ترجمہ خود بول رہا ہے۔

آیت ۳: علامہ محمود الحسن صاحب نے اس آیت کے شاہ صاحب کے ترجمے سے استفادہ کر کے اپنا ترجمہ یوں تحریر فرمایا۔

''نہ کسی کو جنا نہ کسی سے جنا''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے۔

''نہ کسی کو جنا اور نہ کسی سے جنا''

شاہ صاحب کا ترجمہ جناب علامہ کے ترجمے سے بہتر ہے اور صحیح ہے۔ جناب علامہ نے نقل کرنے میں اس کی خوبی کو کم کر دیا کیونکہ وہ واؤ عطف کا ترجمہ کھا گئے۔

امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ املا کر دیا۔

''نہ اُس کی کوئی اولاد نہ وہ کسی سے پیدا ہوا''

''جنا'' جیسے لفظ سے بھی ترجمے کو نجات مل گئی۔ اس کو کہتے ہیں زبان پر عبور۔

۱۱۳۔ سورۃ الفلق

آیت ۱: جناب علامہ نے اس کا ترجمہ شاہ صاحب کے نسخے سے لفظ بلفظ اس طرح نقل فرمایا۔

''تو کہہ میں پناہ میں آیا صبح کے رب کی''

امام احمد رضا کا اس آیت کا املا کرایا ہوا ترجمہ یہ ہے۔

''تم فرماؤ میں اُس کی پناہ لیتا ہوں جو صبح کا پیدا کرنے والا ہے''

۱۱۴۔ سورۃ الناس

آیت ۱: جناب علامہ نے شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے اس آیت کے ترجمے کو بلفظہٖ اُٹھا کر اپنے نسخے میں سجا لیا۔ ترجمہ اس طرح ہے۔ (شاہ صاحب کا سمجھ لیجیے یا جناب علامہ کا)

''تو کہہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی''

امامِ عشق و محبت نے برصغیر کے مسلمانوں کو اس آیت کا یہ ترجمہ عنایت فرمایا۔

''تم کہو میں اُس کی پناہ میں آیا جو سب لوگوں کا رب''

جناب علامہ محمود الحسن کے مترجمہ قرآن کریم (مطبوعہ سعودی عرب) میں دعائے ختم القرآن (۳ عدد) کے بھی اردو ترجمے موجود ہیں۔ ان دعاؤں کے ترجمے کسی مترجم قرآن کریم میں فقیر کی نظر سے نہیں گزرے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کرام پر جناب علامہ کی قابلیتِ ترجمہ نگاری کا رعب ڈالنے کے لیے یہ ترجمے درج کیے گئے ہیں۔

اگر واقعتاً یہ اسی لیے کیا گیا ہے تو یہ محض دھوکا ہے۔ ان تینوں دعاؤں کے ترجمے کسی ایک شخص کے ہیں ہی نہیں؛ بلکہ دو ایسے شخصوں کے کیے ہوئے ہیں جو جناب باری تعالیٰ عزوجل کے بارے میں جدا جدا لہجے رکھتے ہیں۔ پہلی دعا میں اللہ رب العزت سے جن صیغوں میں دعا مانگی گئی ہے۔ وہ یہ ہیں۔

مانوس کر، رحم کر، بنا، یاد دِلا، سکھا، نصیب کر، دلیلِ راہ بنا۔

جبکہ دوسری اور تیسری دعا میں فعل کی صورتیں یہ ہیں۔

مواخذہ نہ کیجیے، قبول فرمائیے، آپ سُننے اور جاننے والے ہیں، رکھیے، قبول کیجیے، کر دیجیے۔

صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کاریگری جناب علامہ کی عربی دانی اور ترجمہ نگاری کی دھاک جمانے کے لیے کی گئی ہے۔

جناب علامہ محمود الحسن نے مقدمہ (جو قرآن کے آخر میں دیا گیا ہے) میں شاعری اور فن تاریخ گوئی سے بھی اپنی وابستگی کا ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ اس نئے ترجمے کی تاریخ اس طرح نکالی ہے۔

یادگار شہ عبدالقادر ترجمہ موضح قرآن مجید
وہ کہ آں معدن صد خوبی را کرد ترمیم اقل العبید
بے شش و پنج بگفتہ محمود سال او موضح فرقان حمید
۱۳۳۶ھ

جناب علامہ نے یہ تاریخ (موضح فرقان حمید) غالباً اس لیے نکالی ہے کہ امام احمد رضا نے اپنے ترجمہ قرآن کا اسم تاریخی کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن/۱۳۳۰ھ رکھا تھا۔ جناب علامہ نے بھی کوشش تو ضرور کی ہوگی کہ وہ بھی کوئی ایسا ہی جامع نام استخراج کرلیں۔ مگر غالباً یہ اُن کے لیے ناممکن تھا۔ اس لیے مادہ تاریخ میں شش و پنج (۶+۵=۱۱) ''گیارہ'' کا تخرجہ کرکے کام چلانا پڑا۔ جب کہ ماہرین فن ۹ رعدد سے زیادہ کا تخرجہ یا تدخلہ معیوب مانتے ہیں۔ (فن تاریخ گوئی مصنفہ ابوالبلاغت پنڈت رتن پنڈوروی ناشر دفتر ماہ نامہ شانِ ہند دلی ۱۹۸۴ء صفحہ ۲۶ نیز نگارستانِ تاریخ/۱۹۳۹ء مصنف و ناشر جناب کلیم سرونجی ۱۹۹۷ء صفحہ ۳۴)

اگر اس موقع پر موازنے کے لیے امام احمد رضا کی تاریخ گوئی کا ذکر کیا جانے لگے تو ایک طویل مضمون بلکہ کتاب کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔

چونکہ ''بے کم وکاست'' تاریخی مادہ جناب علامہ محمود الحسن سے استخراج نہ ہوسکا۔ اس لیے تخرجہ کے لیے قطعہ کہنا پڑا۔ اس قطعے کے ۶ مصرعوں کا یہ حال ہے کہ پہلا مصرع فاعلاتن فعلاتن فعلن کے وزن پر بحر رمل مسدس سالم مخبون مسکن محذوف میں ہے۔ پھر اسی وزن پر تیسرا مصرع ہے۔ پانچویں مصرع کے حصّہ عروض میں ''مفعلان'' (ع ساکن) آرہا ہے۔ اس کے اجتماع کا بھی جواز ہے۔ مگر دوسرے، چوتھے اور چھٹے مصرع کا حصہ ضرب وزن کے اعتبار سے بالکل خلاف قاعدہ ہے۔ کیونکہ ان میں ''عین'' ساکن ہونے کے بجائے متحرک ہے اور ساکن کے ساتھ اس کا اجتماع جائز نہیں۔ اور چوتھے مصرع کی تو کوئی کل ہی سیدھی نہیں ہے۔ یہ نہ نثر ہے نہ نظم۔ معلوم ہوا کہ ۶ رمصرعوں میں سے ۳ (یعنی پچاس فی صد) غلط ہیں۔

یقیناً جناب علامہ کو اس فن میں اپنی صلاحیت کا اندازہ ہوگا۔ اگر وہ اپنی قوت شاعری کا اظہار نہ فرماتے تو اچھا ہوتا۔ بڑے عالم اور بھاری بھرکم شخصیت کے مالک ہونے کا بھرم تو رہ جاتا۔

اس کے برعکس امام احمد رضا کی شاعری کا ذکر اس موقع پر اس لیے بے محل ہے کہ یہاں اس کی گنجائش ہی نہیں نکل سکتی کتنے ہی اختصار سے کام لیا جائے تشنگی باقی رہ جائے گی۔ موصوف کی شاعری پر اب تک ہزاروں صفحات لکھے جاچکے ہیں جسے احتیاج ہو وہ مولانا عبدالستار حبیب ہمدانی معروف مدظلہ العالی کی ضخیم تصنیف ''فن شاعری اور حسان الہند'' کا مطالعہ کرے۔

اس جائزے کو قرآن کریم کی ہر سورت سے نمونے کے ترجے نقل کر کے مکمل کیا گیا ہے۔ یہ جائزہ سرسری ہے۔ اگر کوئی ذی استعداد اور نکتہ داں گہرائی اور باریکی کے ساتھ جائزہ لے تو مزید بہت سے نکات سامنے آئیں گے۔ بایں حال ایک قاری اگر سرسری نظر سے بھی اس جائزے کا مطالعہ کرے تو اُسے ترجمہ کنزالایمان کی خوبیوں کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔ اور بہ نظر غائر مطالعہ کرنے پر تو اس ترجے کی زبان کے جوہر آشکار ہو جائیں گے۔

اس جائزے میں کنزالایمان کا موازنہ یا تقابل علامہ محمود الحسن صاحب کے ترجے سے کیا گیا ہے۔ یہ کچھ ضروری نہیں تھا مگر اس خیال سے کہ ایک شے کی خوبی کا اندازہ دوسری شے سے مقابلے کے بعد ہی صحیح ہوتا ہے یہ طریقہ اختیار کیا گیا۔ مقابلے کے واسطے وہ ترجمہ چنا گیا جس کو ایک ایسے شخص نے اردو کا سب سے اچھا ترجمہ قرار دیا تھا جو اپنے طبقے میں علامہ فہامہ اور عظیم دانشور مانا جاتا تھا۔ اس موازنے سے جہاں اُس نام نہاد دانشور کی دانشوری کی پول کھلی وہیں عام لوگوں کو بھی معلوم ہوگیا کہ جناب علامہ محمود الحسن مستقل ترجمہ نگار نہیں تھے انہوں نے شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کے ترجے کی نام نہاد اصلاح کی کوشش کی تھی۔ خود فرماتے ہیں۔

''اس مضمون کو سوچ سمجھ کر جو اپنے مکرمین مخلصین کی خدمت میں پیش کیا تو اُن حضرات نے بھی اس عاجز کی رائے سے اتفاق ظاہر فرمایا اور یہی بات ذہن نشین ہوگئی کہ مستقل ترجے سے یہ امر زیادہ مناسب اور مفید ہے کہ موضح قرآن میں جو شکایت پیدا ہوگئی ہے اُس کے رفع کرنے میں کوشش کی جائے''
(مقدمہ ص ۲ و ۳)

مگر شکایت رفع کرنے کے بجائے مزید شکایات کا سامان فراہم کر دیا۔ جیسا کہ اس جائزے سے ظاہر ہوتا ہے۔

اور اس سے علامہ محمود الحسن صاحب کی جو امیج اُبھر کر سامنے آئی وہ موازنے کا نتیجہ ہے۔ فقیر کا یہ مقصد نہیں تھا۔ البتہ یہ سوال ضرور پیدا ہوا کہ جب اردو کے سب سے اچھے ترجے کا یہ حال ہے تو دیگر تراجم کا کیا حال ہوگا۔

جناب علامہ محمود الحسن کے اسلوب نگارش میں جو ایک خاص بات نظر آئی۔ وہ فعل متعدی المتعدی کا بیجا اور کثیر استعمال ہے۔ فقیر یہ نہیں کہتا کہ اس کا استعمال گناہ یا ناجائز ہے۔ یہ بھی نہیں کہتا کہ اس کا استعمال قطعاً نہ ہو۔ حسب ضرورت کہیں ایک آدھ بار استعمال کر لیا جائے تو اُس کو خطا نہ ماننا ہی بہتر ہے؛ مگر جس کثرت سے جناب علامہ نے اس کا استعمال کیا (اور وہاں بھی جہاں شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے اس کا استعمال نہیں کیا تھا) پسندیدہ نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ کے استعمال کے بارے میں حضرت علامہ میں ذوق سلیم کی کمی تھی۔

جہاں تک مناسب معلوم ہوا فقیر نے ایسے مقامات کی نشاندہی کی؛ مگر جب یہ دیکھا کہ جناب علامہ اس کے بغیر عبارت لکھنے سے معذور نظر آتے ہیں تو ایسے افعال کی نشاندہی بند کردی۔ اندازہ تھا کہ شاید یہی تناسب آگے بھی ہوگا جو اُس وقت تک رہا تھا؛ مگر اس کے بعد تو جناب علامہ نے فعل متعدی المحدی کی بھر مار ہی کردی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی شخص اپنے تکیہ کلام سے مجبور ہو جو اُس سے چھوٹتا ہی نہیں۔ فعل متعدی المحدی کا استعمال بھی جناب علامہ کی مجبوری معلوم ہوتا ہے۔ اس بات کا اظہار کیا جاچکا تھا کہ آگے فعل متعدی المحدی کو نظر انداز کیا جائے گا (کیونکہ جتنا کچھ پیش کیا جاچکا تھا کم نہ تھا) اس لیے باوجود بھر مار کے پھر اُس کا ذکر تک نہیں کیا گیا اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جناب علامہ محمود الحسن کے شاگردِ عزیز اور اُن کے حاشیہ نگار علامہ شبیر احمد عثمانی پر بھی اپنے اُستاد کا کچھ ایسا پرچھاواں پڑا کہ وہ بھی انہی کی بولی بولتے نظر آئے اور بعد میں فعل متعدی المحدی کا اتنا زیادہ استعمال کیا جیسے یہ بھی کوئی کارِ ثواب ہو۔

اس کے مقابلے میں کنز الایمان کی زبان صاف، شستہ، رواں اور علاقہ روہیل کھنڈ کی ٹکسالی زبان ہے۔ شرفاء کے روزمرّے الفاظ کی عمدہ دروبست، نثر کی صحیح ترکیب نحوی نے تاثیر بھی پیدا کردی ہے۔ کچھ خوبیاں جائزے میں گنائی جاچکی ہیں۔ اس لیے اس بارے میں زیادہ خامہ فرسائی کرنا طوالتِ کلام کا سبب ہوگا۔ جائزہ آپ کے سامنے ہے۔ اس لیے مزید کچھ عرض نہیں کرنا ہے۔

فقیر کا ارادہ تھا کہ وہ اس ترجمے کی خوبیاں ایک ایک کرکے بیان کرے، لیکن اس کی کم علمی اور کج مج زبان دونوں چیزیں اُس کی راہ میں حائل رہیں۔ کچھ دور تک تو کام ٹھیک ٹھاک چلا مگر پھر خوبیوں کو محسوس کرنے کے باوجود اُن کے نام معلوم نہ ہونے کے باعث اُن کو بغیر اظہار کے ہی چھوڑ دینا پڑا۔ بہت دور چل کر سورہ ۷۸ (النباء) کے ترجمے میں ایک ایسی خوبی نظر آئی، جس کو کسی طرح نظر انداز کرنا درست معلوم نہ ہوا۔ اُس وقت ذہن نے معاونت کی اور اس خوبی کے ذکر کے ساتھ اس کو "بے نام خوبی" سے موسوم کردیا۔ کاشکے ذہن میں پہلے ہی یہ بات آجاتی۔

مکمل فرصت اور ذہن کی یکسوئی کے وقت ترجموں کے موازنے میں چند مقامات پر ایسا بھی ہوا کہ دونوں ترجموں کے ایک ایک فقرے کو ایک دوسرے کے سامنے رکھ کر بالکل ہنڈی کی چنڈی کردینے کا موقع مل گیا۔ اگر قرآن کریم کے مکمل ترجمے کا جائزہ اس طریقے سے لیا جاسکتا تو بات کچھ اور ہی ہوتی؛ مگر کتاب کی ضخامت امید سے کہیں زیادہ ہوجاتی اور یہ بھی ہے کہ انسان کا کیا ہوا کوئی کام اپنے میں مکمل نہیں ہوتا۔ اگر کوئی باہمت نوجوان اس کام کا بیڑا اُٹھالے تو کیا ہی خوب ہو۔

جن حضرات کو فقیر کا یہ کام اچھا لگے وہ اس کی تعریف کرنے کے بجائے فقیر کے لیے حسنِ خاتمہ کی دعا فرمائیں کہ یہ سب سے بڑی کامیابی اور سب سے بڑا انعامِ الٰہی ہے اور یہ صرف مولائے تعالیٰ کے کرم

پر منحصر ہے۔

امید ہے کہ قارئین کرام فقیر کی اس گزارش کو نظر انداز نہیں فرمائیں گے۔

۳۱؍ مارچ ۲۰۰۵ء سیف خاں سرائے، سنبھل (ضلع مراد آباد)

☆☆☆☆☆☆

تصحیح اغلاط

سہ ماہی ''افکار رضا'' ممبئی بابت اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۴ء کے شمارے میں عزیزی خورشید احمد سعیدی کا ''رضا نامہ'' نظر نواز ہوا۔ اُن کی یہ خواہش تو قابل صد تحسین ہے کہ اچھے اور معیاری جرائد میں ''تصحیح اغلاط'' کا کالم نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن آج کل اس خواہش کو عملی شکل دینا بہت دشوار ہے۔ اولاً انسان خطا و نسیان کا پیکر ہے ثانیاً اغلاط کو بڑھانے میں کمپیوٹر بھی معاونت کرتا ہے۔ کمپیوٹر کی کمپوزنگ کی آٹھ آٹھ بار پروف ریڈنگ کر کے دیکھ لی مگر گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔ تجربہ ہے کہ ہر نئے پرنٹ آؤٹ میں کمپیوٹر اپنی طرف سے کسی ''صحیح'' کو ''غلط'' کر دیتا ہے۔ ''تصحیح اغلاط'' کا کالم کسی شوق یا رغبت کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ مجبوری کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

فقیر موصوف کے مشوروں کی دل سے قدر کرتا ہے اور جولائی تا ستمبر ۲۰۰۴ء کے شمارے کے صفحہ ۲۱ پر سطر ۱۳ میں عربی لفظ ''تَتَّخِذُوا'' کی غلط کمپوزنگ کی نشاندہی پر بھی صمیم قلب سے ممنون ہے۔ یہ کمپیوٹر کی ہی کارستانی ہے۔ سودے کی کاربن کاپی میں ''تَتَّخِذُوا'' ہی درج ہے۔ قارئین کرام رسالے میں اس کے آخر میں ''الف'' بڑھا کر درست فرمالیں۔ رہی ''پول کھل گیا'' کی بات تو فقیر اس سے کسی طرح متفق نہیں ہے۔ روہیل کھنڈ اور آس پاس کے علاقوں میں ''پول کھل گئی'' ہی چلن میں ہے۔ لغات و قواعد کی کتابیں اس باب میں کوئی رہنمائی نہیں کرتیں۔

اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۴ء کے ''افکار رضا'' میں درج ذیل اغلاط کو حسب ہدایت درست کر لیا جائے۔

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۳	۱۹	مٹاؤ اپنے مرنے کو	مٹاؤ اپنے مرنے کو (خط کشیدہ ہے)
۷	۹	آیت ۶۱	آیت ۱۶
۷	۲۳	حصّہ آیت کا ترجمہ تحریر کیا تھا	حصّہ آیت کا یہ ترجمہ تحریر کیا تھا
۹	۲۰	مخصوص نہ رہ ہوگا	مخصوص نہ رہا ہوگا
۱۱	۲۲	سورۂ معراج	سورۂ معارج
۱۱	۳	اور پڑا لاؤ ڈالے	اور پڑا لاڈ ڈالے
۱۸	۵	ममममधर्मगतक्मा	तुम तुम्हा

فقط صابر سنبھلی

علمِ تجوید اور امام احمد رضا

از: محمد افروز قادری چریاکوٹی
استاذ: مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا۔ بریلی شریف

آیا قاري القرآن أحسن أداءه　　یضاعف لک اللہ الجزیل من الأجر

علم و فضل کے آفتاب نیم روز، زہد و تقویٰ کے بدر منیر، تحقیق و تدقیق کے دُرِّ بے بہا، سیاستِ صادقہ کے گوہر نایاب اور تحریک عشقِ رسالت کے قافلۂ سالار مجدد اسلام امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز سے ہر ذی شعور، علم دوست اور حق شناس فرد متعارف ہی نہیں بلکہ اس مردِ حق آگاہ کی دینی، ملی، روحانی اور سیاسی خدمات کا معترف بھی ہے اور خوشہ چیں بھی۔ سر دست ہم یہاں علمِ تجوید کے حوالے سے ایک مختصر سی تمہید کے بعد مجدد اعظم اعلیٰحضرت محدث بریلوی کے وہ گراں مایہ اقوال پیش کرنا چاہیں گے جو علمِ تجوید کی اہمیت و افادیت اور ناآشنایانِ علم تجوید کو اس علم شریف کی تحصیل پر برانگیختہ کرنے سے متعلق ہیں۔ کیوں کہ محدث بریلوی نے جس طرح من جملہ اور علوم و فنون کے احیاء و توسیع میں عمر عزیز کا قیمتی حصہ صرف فرمایا اسی طرح اس علم شریف کے فروغ و احیاء کے لیے بھی آپ نے جہد بلیغ و سعی مشکور فرمائی اور جیسے بھی ممکن ہو سکا اس علم کی اہمیت و عظمت عوام الناس سے لے کر خواص تک کے دل و دماغ میں رچانے بسانے کی کوشش کی، نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کی توجہات اور طبائع اس علم کی طلب و تجسس کی طرف مائل نظر آنے لگے اور ایک خاص حد تک اس علم سے دلچسپی لی جانے لگی مگر پھر بھی اس علم کی قدر و منزلت کے تناسب سے جو پیش رفت ہونا چاہیے تھی وہ ابھی نہیں ہو سکی ہے۔ تاہم اگر علمائے عظام اور قرائے کرام اپنا فرض منصبی سمجھتے ہوئے اس علم کی توسیع و ترویج کا فریضہ خلوص و للّٰہیت کے جذبۂ بیکراں کے ساتھ انجام دیتے رہے تو امید ہے کہ مستقبل قریب میں ہندوستان کا گوشہ گوشہ اس علم کی خوشبو سے مہک اٹھے گا اور طالبانِ دین صحیح معنوں میں قرآن کے قدوسی جمال سے لطف آشنا ہو سکیں گے۔

اس حقیقت سے بھلا کس کو انکار ہوگا کہ دنیا میں سب سے زیادہ تعظیم و توقیر ربانی نوشتوں کی کی جاتی ہے۔ قرآن مجید بلاشبہ اللہ رب العزت کا کلام ہے، جو ہر قسم کے تغیر و تبدل، حذف و اضافہ اور ترمیم و تنسیخ سے پاک ہے، اور یہ سعادت ارزانی صرف اور صرف اسی صحیفۂ آسمانی کو حاصل ہے کہ اس عالم رنگ و بو میں کروڑوں سے زیادہ انسان اس کے حافظ ہیں اور دنیا میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا کلام بھی یہی ہے۔ ظاہر ہے جو کتاب اتنی محترم اور پُر عظمت ہو اس کے پڑھنے کے طور اور اس کی تلاوت و قرأت

کے آداب بھی اتنے ہی اہم و اعظم ہوں گے۔ چنانچہ خود کلام الٰہی کی اس آیت پاک سے تلاوت قرآن کی اہمیت و عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے: لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ. باوضو حضرات ہی اسے چھو سکتے ہیں، یعنی پڑھ سکتے ہیں۔ کیوں کہ عموماً قرآن مجید پڑھنے ہی کی خاطر وضو کیا جاتا ہے نہ کہ صرف قرآن چھونے کے لیے .... اور منبع اسرار قرآنی حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد تو قرآن پاک کو ترتیل و تجوید کے ساتھ پڑھنے کا صاف اشارہ دے رہا ہے: رُبَّ قَارِیٍ (۱) لِلْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ یَلْعَنُهٗ یعنی بہت سے قرآں خواں ایسے ہیں کہ (غلط (۲) پڑھنے کی وجہ کر) قرآن پاک ان پر لعنت کرتا ہے۔

حدیث رسول کا مقصود یہ ہے کلمات قرآن کیوں ادا کیے جائیں، الفاظ و حروف کس طرح زبان سے نکالے جائیں، قرآن پڑھتے ہوئے قاری کس مقام پر کب اور کیسے ٹھہرے، یہ ایسے امور ہیں کہ ایک قرآن خواں کا ان سے آگاہ ہونا از حد ضروری ہے، تا کہ اس کی قرأت قلب و جگر میں وجدانی کیفیت اور فکر و نظر میں روحانی بالیدگی پیدا کر سکے، اور اس کے نتیجے میں وہ پورے طور پر شواہد و معانی قرآن سے لطف آشنا اور کیف اندوز ہو سکے، اسی کو اصطلاح میں علم تجوید کا نام دیا گیا ہے۔

علمائے ربانیین نے قرآن مجید کے مطالب و معانی، صیغ و الفاظ، اعراب و بنا، رسم الخط، طراق ادا، احکم ظاہرہ، اشارات باطنہ اور قرأت مختلفہ کے تحفظ اور اس کے محاسن و محامد کو اجاگر کرنے کے لیے بے شمار علوم و فنون ایجاد کیے، جن سے ملت اسلامیہ قیامت تک راہ نمائی حاصل کرتی رہے گی، علم تجوید انھیں علوم میں سے ایک اہم علم ہے۔ اس علم کو غیر معمولی اہمیت اس لیے بھی حاصل ہے کہ یہ بلاواسطہ کلام الٰہی کی تلاوت اور اس کے الفاظ و حروف سے متعلق ہے۔

دراصل علم تجوید ان قواعد اور اصول کا نام ہے جن کی معرفت و رعایت سے حروف قرآنیہ اس ترتیل کے موافق ہو جائیں جس طرح کا حکم اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں دیا ہے: وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلًا۔ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی صرف تلاوت مقصود نہیں بلکہ

حاشیہ: (۱) رُبَّ قَارِیٍ سے تین قسم کے لوگ مراد ہیں، ایک وہ جو لفظ میں غلطی کریں، دوسرے جو معنی میں تغیر کریں اور تیسرے وہ جن کا عمل قرآن کے خلاف ہو اور قرآن مجید کو تجوید سے نہ پڑھنا یہ بھی اسی میں داخل ہے۔ ۱۲ منہ

(۲) غلطیاں کئی طرح کی ہوتی ہیں۔ بعض مرتبہ معنی کا فساد، نماز کے فساد کا باعث بن جاتا ہے۔ جیسا کہ شرح منیہ میں ہے کہ اگر کسی نے اللّٰہ الصمد میں صاد کی جگہ سین پڑھ دیا تو نماز فاسد ہوگئی جو سجدۂ سہو سے بھی صحیح نہیں ہو سکتی، تاوقتیکہ قرآن مجید صحیح نہ پڑھا جائے۔ صاحب روح البیان نے اپنے اس قول میں اس حقیقت کو باور کرانے کی کوشش کی ہے: لا تجوز الصلوٰۃ بدون لتجوید۔ یعنی قواعد تجوید کی رعایت کے بغیر نماز پڑھنا درست نہیں۔ ۱۲ منہ

بلکہ اصل ترتیل مطلوب ہے جس میں ہر ہر کلمہ صاف صاف، جدا جدا اور صحیح ادا ہو۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے پیش نظر ہر ایک قاری قرآن پر کلام اللہ بالترتیل پڑھنا واجب ہے۔ اور اجر وثواب کا ترتب اسی وقت ہوگا جب قرآن مجید موافق نزول و مطابق ماموربہ پڑھا جائے۔

خلاصۃ البیان میں تجوید کی تعریف یوں مذکور ہے:

والتجوید عبارۃ عن ادائہ کما انزل. یعنی تجوید یہ ہے کلام اللہ موافق نزول پڑھا جائے۔
(خلاصۃ البیان: ص ۴)

اسی کتاب میں تجوید کی تعریف اس طرح بھی کی گئی ہے:

التجوید اداء کاداء الرسول ﷺ ووجوہ الاداء عنہ الینا منقول ولا دخل للرأی فیہ
(خلاصۃ البیان: ص ۸)

یعنی تجوید ایسی ادا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کلام اللہ کو ادا فرماتے تھے، اور کلام اللہ کی ادائیں یعنی ادغام و اظہار، اقلاب و اخفا اور ترقیق وتفخیم وغیرہ سب کے سب نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہیں اور اس میں کسی کی عقل ورائے کو ذرہ بھر دخل نہیں۔

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں یہی بات کہنے کی کوشش کی ہے؛

وما بقیاس فی القراءۃ مدخل　　　　فدونک مافیہ الرضا فتکفلہ

اور امام جزری رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے اس شعر سے کچھ یہی بتانا چاہتے ہیں۔

لانہ بہ الالہ انزلا　　　　وھکذا منہ الینا وصلا

مجدِ داعظم مجدد اسلام امام احمد رضا خان محدث بریلوی قدس سرہ اس علمِ شریف کی شرعی حیثیت اُجاگر کرتے ہوئے اور اس فن کی غیر معمولی اہمیت بتاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

تجوید بنصِ قطعی قرآن و اخبار متواترۂ سید الانس والجان علیہ و علیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام و اجماع تام صحابہ وتابعین وسائر ائمہ کرام علیہم الرضوان المستدام حق و واجب درعلمِ دین شرع الٰہی ہے: قال اللہ تعالیٰ: وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا. (قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔) (فتاوٰی رضویہ: ۶/۳۲۳،۳۲۲)

اس علم کی فرضیت وقطعیت کے حوالے سے دوسری جگہ فرماتے ہیں:

الثغ کی نماز جبھی تو صحیح ہے کہ وہ تصحیح حروف میں کوشش کیے جائے یہ بھی بے تعلیم صحیح ناممکن، یہی تعلیم تجوید ہے تو اس کی فرضیت قطعاً ثابت۔ اگر صحیح کو نہ سیکھے یا سیکھے اور اس کے ادا کرنے کی کوشش نہ کرے تو نماز ضرور باطل ہوگی تو علم وعمل دونوں فرض ہوئے۔ (فتاوٰی رضویہ: ۶/۳۴۰)

مذکورہ بالا باتوں سے علمِ تجوید کے مقام و مرتبہ کا اندازہ کتاب وسنت اور اجماع امت کی روشنی میں

لگانا چنداں مشکل نہیں۔ اب آگے ترتیل کی حدوں کا تعین کرتے ہوئے مجدد اعظم سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

ترتیل کی تین حدیں ہیں۔ ہر حد اعلیٰ میں اس کے بعد کی حد ماخوذ و ملحوظ ہے۔

حد اوّل: یہ کہ قرآن عظیم ٹھہر ٹھہر کر بآہستگی تلاوت کرے کہ سامع چاہے تو ہر کلمے کو جدا جدا گن سکے۔ الفاظ بہ تفخیم ادا ہوں، حروف کو ان کی صفات شدت و جہر و امثال کے حقوق پورے دیے جائیں، اظہار و اخفا و تفخیم و ترقیق وغیرہا محسنات کا لحاظ رکھا جائے یہ مسنون ہے اور اس کا ترک مکروہ و ناپسندیدہ۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلاً یعنی ہم نے اسے بندوں کی ضروریات کے مطابق تھوڑا تھوڑا نازل فرمایا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے کہ ہم نے قرآن تھوڑا تھوڑا کرکے نازل فرمایا تاکہ آپ لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے تدریجاً نازل فرمایا۔

حد دوّم: مد و وقف و وصل کے ضروریات اپنے اپنے مواقع پر ادا ہوں، کھڑے پڑے کا لحاظ رہے، حروف مذکورہ جن کے قبل نون یا میم ہو ان کے بعد غنہ نہ نکلے انا کنا کو انّ کنّ یا اناں کناں نہ پڑھا جائے یا وجیم ساکنین جن کے بعد 'ب' ہو بشدت ادا کیے جائیں کہ پ اور چ کی آوازیں نہ دیں...... کوئی حرف بے محل اپنے مجاور کی رنگت نہ پکڑے ت و ط کے اجتماع میں مثلاً "یستطیعون" "لا تطع" بے خیالی کرنے والوں سے حرف تا بھی مشابہ طا ادا ہوتا ہے بلکہ بعض سے "عتو" میں بھی بوجہ تفخیم عین وضمہ تا آواز مشابہ طا پیدا ہوتی ہے بالجملہ کوئی حروف و حرکت بے محل دوسرے کی شان اخذ نہ کرنے نہ کوئی حرف چھوٹ جائے، نہ کوئی اجنبی پیدا ہو، نہ محدود و مقصور ہو، نہ ممدود، اسی زیادت اجنبی کے قبیل سے ہے وہ الف جو بعض جہال "و استبقا الباب" "دعوا اللہ" "وقالا الحمد للہ" "ذاقا الشجرۃ" کے قیاس پر "کلتا الجنتین" "قیل ادخلوا النار" میں نکالتے ہیں حالانکہ یہ محض فاسد اور زیادت باطل و کاسد، واجب و اجماعی مد متصل ہے، منفصل کا ترک جائز، ولہٰذا اس کا نام ہی مد جائز رکھا گیا اور جس حرف مدہ کے بعد سکون لازم ہو جیسے ضآلین، الم وہاں بھی مد بالا جماع واجب۔ اور جس کے بعد سکون عارض ہو جیسے العالمین، الرحیم، العباد، یوقنون بحالت وقف یا قال اللھم بحالت ادغام وہاں مد و قصر دونوں جائز، اس قدر ترتیل فرض و واجب ہے، اور اس کا تارک گنہ گار۔

حد سوّم: جو حروف و حرکات کی تصحیح اء، ت ط، ث س ص، ح ہ، ذ ز ظ وغیرہا میں تمیز کرے، غرض ہر نقص و زیادت و تبدیل سے کہ مفسد معنی ہو احتراز یہ بھی فرض ہے، اور علی التفصیل فرائض نماز سے بھی ہے کہ اس کا ترک مفسد نماز ہے جو شخص قادر ہے اور بے خیالی یا بے پروائی یا جلدی کے باعث اسے چھوڑتا ہے یا سیکھے تو آجائے مگر نہیں سیکھتا، ہمارے ائمہ کرام مذہب رضی اللہ عنہم کے نزدیک اس کی نماز باطل اور

اس کی امامت کے بطلان اور اس کے پیچھے اوروں کی نماز فاسد ہونے میں تو کلام ہی نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ: ۵-۲۷۵-۲۸۱/۶)

ترتیل کے حوالے سے بیان کردہ اعلیٰ حضرت کی یہ تینوں حدیں اتنی جامع و مانع ہیں کہ محسوس ہوتا ہے جیسے علمِ تجوید کے تمام قواعد و رموز ''کوزے میں سمندر'' کی مانند اس میں پرو دیے گئے ہیں، اور ظاہر ہے اس طرح کا معیاری اور تحقیقی کلام، نکات و نقاط کی باریکیوں کے ساتھ وہی کرسکتا ہے جسے اس فن میں مہارت تامہ اور براعتِ کاملہ حاصل ہو۔

مد متصل میں مد کرنا واجب، اور اس کا ترک کرنا حرام ہے۔ اس دعویٰ پر دلیل دیتے ہوئے اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک شخص کو قرآن عظیم پڑھا رہے تھے اس نے انما الصدقات للفقرآء کو بغیر مد کے پڑھا۔ فرمایا: ما ھکذا اقرأنیھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایسے نہیں پڑھایا ہے۔) عرض کی آپ کو کیا پڑھایا؟ فرمایا: انما الصدقات للفقرآء مد کے ساتھ ادا کرکے بتایا۔ رواہ سعید بن منصور فی سننہ والطبرانی فی الکبیر بسند صحیح. (فتاویٰ رضویہ: ۹-۲۷۹/۶)

اگر کسی شخص کے ذہن کے کسی گوشہ میں یہ وسوسہ ہو کہ علمِ تجوید بہت معمولی اور کوئی عام سا فن ہے، جس سے اعتنا کچھ ضروری نہیں، تو ایسے کوتاہ فکروں کے سمندِ شوق کو اعلیٰ حضرت اس علم کی قدر و منزلت کی جانب یوں مہمیز کرتے ہیں:

اس قدر تجوید جس کے باعث حرف کو حرف سے امتیاز اور تلبیس سے احتراز حاصل ہو، واجبات عینیہ واہم مہمات دینیہ سے ہے۔ آدمی پر تصحیح مخارج میں سعی تام اور حرف میں اس کے مخرج سے ٹھیک ادا کرنے کا قصد و اہتمام لازم کہ قرآن کے مطابق ما انزل اللہ تعالیٰ پڑھے، نہ کہ معاذ اللہ مداہنت و بے پروائی سے۔

ایک دوسرے مقام پر ناآشنایانِ علمِ تجوید کو اس علم کی تحصیل و ترغیب پر ابھارتے ہوئے زبان و بیان کی قدرت و ندرت، تحقیق و تدقیق کا نکتہ اسرار آفریں، مترادفات کا دھارا، الفاظ کا چٹخارہ اور ترکیب و عبارت کا من موہ لینے والا اسلوب یوں دکھایا ہے:

اس مسئلہ خاص میں حق تحقیق حقیق بالقبول وعطر تنقیح اکابر فحول یہ ہے کہ مولیٰ عزوجل تبارک وتعالیٰ نے قرآن عظیم اتارا اور ہمیں بحمد اللہ اس کے نظم و معنی دونوں سے متعبد کیا، ہر مسلمان پر حق ہے کہ اسے جیسا اترا ویسا ہی ادا کرے۔ حرف کی آواز بدلنے میں بے شمار جگہ الفاظ مہمل رہتے یا معنی کچھ سے کچھ ہوجاتے ہیں۔ یہاں تک کہ معاذ اللہ کفر و اسلام کا فرق ہوجاتا ہے، آواز صحیح سے جو معنی تھے ایمان تھے، اور بدلنے

پر جو پیدا ہوئے ان کا اعتقاد صریح کفر، تو معاذ اللہ وہ کلام اللہ کیوں کر ہوا۔ آج کل یہاں عوام بلکہ کثیر بلکہ اکثر خواص نے اس امر خطیر میں مداہنت و بے پروائی اپنا شعار کرلی۔ فقیر نے بگوش خود مولوی صاحبوں، اصحاب وعظ وفتویٰ کو خاص پنچایت میں برملا پڑھتے سنا "قل هوا اللّٰه اهد" حالاں کہ ہرگز نہ اللہ نے 'اهد' فرمایا نہ امینِ وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے 'اهد' پہنچایا، نہ صاحبِ قرآن ﷺ نے 'اهد' پڑھایا، پھر یہ قرآن کیوں کر ہوا۔ احد کے معنی ایک اکیلا، شریک ونظیر سے پاک نرالا۔ اور 'اهد' کے معنی معاذ اللہ بزدل کمزور...... فان للله وانا اليه راجعون. اللہ کو'احد' ماننا عین اسلام، اور معاذ اللہ 'اهد' کہنا صریح دشنام ہے۔ مانا کہ تمہیں قصدِ دشنام نہیں پھر اس سے کیا ہوا کفر سے بچ گئے، بات کی شناعت کیا جاتی رہے گی؟ تعریف کیجیے اور اسی کا قصد ہو مگر لفظ وہ نکلیں جو صریح ذم ہوں، کیا علمائے متاخرین اسے حلال بتا گئے ہیں؟ کلا واللہ حاشا للہ......... حاشا فتویٰ متاخرین پروانہ پروائی نہیں، باوصفِ قدرتِ تعلیم تعلم نہ کرنا اور براہِ سہل انگاری غلط خوانی قرآن پر مصر و متمادی رہنا کون جائز رکھے گا۔ (فتاویٰ رضویہ ۶/۳۱۸)

صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا نعس احدكم وهو يصلى فلير قد حتىٰ يذهب عنه النوم فان احدكم اذا صلى وهو ناعس لا يدرى لعله يذهب ليستغفر فيسب نفسه. رواه مالک والبخاری و مسلم و ابوداؤد و الترمزی و ابن ماجة عن ام المومنين الصديقة رضى الله تعالىٰ عنها.

جب تم میں کسی کو نماز میں اونگھ آئے تو سو رہے یہاں تک کہ نیند چلی جائے کہ اونگھتے میں پڑھے گا تو کیا معلوم شاید اپنے لیے دعاے مغفرت کرنے چلے اور بجائے دعا، بددعا نکلے۔ اسے امام مالک، بخاری، مسلم ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

جب اونگھتے میں نماز سے منع کیا کہ احتمال ہے شاید اپنے لیے دعاے بد نکل جائے، اگرچہ قصدِ دعا ہے۔ تو خود جاگتے میں خود اللہ عزوجل کی شان میں سخت گستاخی کا کلمہ نہ فقط احتمالاً بلکہ تجربۃً بارہا منہ سے نکالنا کیوں کر گوارا ہو سکے، اگرچہ قصد ثنا ہے۔

اتقان شریف میں ہے:

من المهمات تجويد القرآن وهو اعطاء الحروف حقوقها و رد الحرف الى مخرجه و اصله ولا شک ان الامة كماهم متعبدون بفهم معانى القرآن و اقامة حدوده وهم متعبدون بتصحيح الفاظه و اقامة حروفه على الصفة المتلقاة من ائمة القرآة المتصله بالحضرة النبوية و قد عد العلماء القراءة بغير تجويد لحنا. ملخصاً.

علمِ تجوید کی روشنی میں قرآن کریم پڑھنا اہم امور میں سے ہے۔ اور وہ حروف کو ان کے حقوق دینا

اور حرف کو اس کے مخرج اور اصل کی طرف لوٹاتا ہے، بلاشبہ جس طرح امت مسلمہ معانی قرآن کے سمجھنے اور حدود قرآنی کے نفاذ میں پابند ہے اسی طرح وہ قرآن کے الفاظ کی تصحیح اور انھیں اسی طریقہ وصفت پر ادا کرنے کی بھی پابند ہے جس طرح ان کو قرأت کے ائمہ نے ادا کیا جن کا سلسلۂ سند نبی اکرم ﷺ تک متصل ہے اور علما نے بغیر تجوید کے قرآن پڑھنے کو لحن قرار دیا ہے۔

علمِ تجوید کو درخورِ اعتنا نہ سمجھنے والوں کو اعلیٰ حضرت باندازِ ناصحانہ یوں سمجھا رہے ہیں کہ اگر علمِ تجوید سے آشنائی نہیں ہے تو صحیح معنوں میں ہم، اہم العبادات یعنی نماز، کامل و اکمل طریقے پر ادا نہیں کرسکتے، کیوں کہ قرأتِ قرآن، فرائضِ نماز کا ایک جزء ہے جو بغیر علمِ تجوید سیکھے آنے سے رہی۔ فرماتے ہیں:

تمام کتابوں میں تصریح ہے کہ ایک حرف کی جگہ دوسرے سے تبدیلی اگر بعجزاً ہو تو مذہب صحیح و معتمد میں اور خطا ہو تو ہمارے ائمہ مذہب کے نزدیک مفسدِ نماز ہے جب کہ مفسدِ معنی ہو یا امام ابی یوسف کے نزدیک جب کہ وہ قرآن کریم میں نہ ہو اور اس سے بچنا بے تعلیم تمایزِ حروف ناممکن اور فسادِ نماز سے بچنا فرضِ عین ہے۔ (فتاوٰی رضویہ: ۶/۲۳۹)

فنِ تجوید کا پورا مدار حرفوں ہی پر ہے، یعنی اس علم کا موضوع ہی حروفِ قرآنیہ ہیں۔ اور حروف میں ادا کے اعتبار سے سب سے مشکل ترین حرف ''ضاد'' مانا گیا ہے، اس لیے قراء نے اس کے متعلق بڑی بحثیں کی ہیں؛ مگر امام احمد رضا نے اس مسئلہ کے شکوک وشبہات اور پیچ وخم کو لغوی وشرعی بہر اعتباریوں بے غبار کردیا ہے کہ بس دیکھا کیجیے۔ پہلے ضاد کا صحیح مخرج اعلیٰ حضرت کی زبانی سنیے، فرماتے ہیں:

ض کا مخرج زبان کی ایک کروٹ اسی طرف کی بالائی داڑھوں سے مل کر درازی کے ساتھ ادا ہونا اور زبان اوپر کو اُٹھ کر تالو سے ملنا اور ادا میں سختی وقوت ہونا ہے۔ (فتاوٰی رضویہ: ۶/۲۷۲)

آگے فرماتے ہیں:

یہ (ضاد) دشوار ترین حرف ہے اس کی ادا خصوصاً عجم پر کہ ان کی زبان کا حرف نہیں، سخت مشکل۔ مسلمانوں پر لازم کہ اس کا مخرج صحیح سے ادا کرنا سیکھیں اور کوشش کریں کہ ٹھیک ادا ہو اپنی طرف سے نہ ظاد کا قصد کریں نہ دواد کا کہ دونوں محض غلط ہیں اور جب اس نے حسب وسع و طاقت جہد کیا اور حرف کو صحیح ادا کرنے کا قصد کیا پھر کچھ نکلے اس پر مواخذہ نہیں لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا.

ض کو اللہ تعالیٰ نے اتنا بلند پیدا کیا ہے کہ کوئی حرف بھی اس کا قریبی نہیں گردانا جاسکتا۔ اسی لیے سیبویہ نے کہا اور خوب کہا: اگر صاد میں اطباق نہ ہو تو وہ سین بن جائے، اگر ظا میں نہ ہو تو زال بن جائے، اگر طا میں نہ ہو تو وہ دال بن جائے اور ضاد کلام ہی سے خارج ہوجائے کیوں کہ اس کے متبادل کوئی حرف ہی نہیں۔

امام احمد رضا نے حروف کی صفات لازمہ کے متعلق بحث میں بڑا دوٹوک فیصلہ سنایا ہے، فرماتے ہیں:

اقول: تحقیق آنست کہ در صفات حروف بعضے صفات لازمہ است کہ فقدانش مستلزم فقدان ذات باشد چنانچہ اطباق در ط و انفتاح در ت او قطعا واجب المراعاۃ ست۔

میں کہتا ہوں تحقیقی بات یہ ہے کہ حروف کی صفات میں بعض ایسی صفات لازمہ ہیں جن کے فقدان سے حروف کی ذات کا فقدان لازم آتا ہے مثلاً طاء میں اطباق اور تاء میں انفتاح۔ اس کی رعایت نہایت ہی ضروری ہے۔

علمائے کرام نے فرمایا: مد کا ترک حرام ہے۔ تو کھڑے کو پڑا پڑھنا بدرجۂ اولیٰ حرام ہوگا کہ اس میں تو جو ہر لفظ میں کمی ہوگئی بخلاف مد کہ امر زائد تھا۔ فی الدر عن الحجة فی النفل لیلالہ ان یسرع بعد ان یقرأ کما یفھم اہ قال السیدان العلامتان الطحطاوی و الشامی قولہ کما یفھم ای بعد ان یمد اقل مدقال بہ القراء والاحرام لترک الترتیل المامور بہ شرعا. درمختار میں الحجہ کے حوالہ سے ہے کہ رات کے وقت نوافل میں اتنا تیز پڑھ سکتا ہے کہ پڑھا ہوا سمجھا جاسکے -- ہمارے دونوں سید علامہ طحطاوی اور شامی فرماتے ہیں ان کے قول کما یفھم سے مراد یہ ہے قراء کے بتائے کے مطابق وہ مد کی کم از کم مقدار ضروری ادا کرتا ہو، ورنہ یہ عمل حرام ہوگا کیوں کہ اس میں اس ترتیل کا ترک لازم آتا ہے جس کا شرعاً حکم ہے۔

یوں ہی آگے فرماتے ہیں کہ جس شخص کو وقف و وصل کی رعایت کا شعور نہ ہو اسے منصب امامت زیب نہیں دیتا۔ فی الھندیة عن المحیط من یقف فی غیر مواضعہ و لا یقف فی مواضعہ لا ینبغی لہ ان یوم.

ہندیہ میں محیط کے حوالے سے ہے کہ وہ شخص جو غیر وقف کی جگہ وقف کرے اور وقف کی جگہ وقف نہ کرے اسے امام نہیں ہونا چاہیے۔ ناآشنایانِ علم تجوید اور تجوید حروف سے عاری حضرات کو آگاہ کرتے ہوئے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت یوں فرماتے ہیں:

وہ (ناآشنائے علمِ تجوید) اپنے رب عزوجل سے ڈرے، اپنے حال پر رحم کرے، فسق و نافرمانی بادشاہ قہار سے تائب ہو کہ اس کے پیچھے نماز بر وقت محبوب و مناسب ہو۔ اگر روزِ قیامت کا اندیشہ نہیں تو اس مجلس اسلامی میں صدارت نہ ملنے کی غیرت چاہیے۔ آدمی اگر دنیا والوں کے کسی جلسہ میں جائے تو کوشش کرے گا کہ کوئی حرکت ایسی نہ ہو جو لوگ اچھی جگہ بٹھانے کے قابل نہ سمجھیں، اور اگر کسی مجلس میں صدر کی جگہ سے ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیا جائے، کس قدر غیرت آئے گی، ندامت ہوگی، تو یہ اللہ عزوجل کے

دربار میں صدر مقام ہے یہاں کیوں نہ غیرت کو کام میں لائیے کہ کارکنانِ بارگاہ سلطانی صدر جگہ سے ہاتھ پکڑ کر اٹھا نہ دیں۔ اللہ توفیق خیر رفیق عطا فرمائے۔ آمین (فتاوٰی رضویہ: ۶/۴۳۶)

آپ سے پوچھا گیا کہ اللہ کے لام کو پُر پڑھنا سنت ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

ہاں! سنتِ متوارثہ ہے جب کہ اس سے پہلے فتحہ یا ضمہ ہو۔ (فتاوٰی رضویہ ۶/۳۲۸)

مد فرعی کے اقسام فنِ تجوید میں چھ ہی بیان کیے گئے ہیں مگر اعلیٰ حضرت نے اپنی تحقیق و تجوید دانی سے اس میں ایک قسم (مد تعظیم) کا اضافہ فرمایا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ سے استفتاء ہوا کہ اللہ کے الف کو تکبیرات میں کچھ دراز کر کے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

تھوڑا دراز کرنا تو مستحب ہے، اسے مد تعظیم کہتے ہیں اور زیادہ دراز کرنا کہ حدِ اعتدال سے خروج فاحش ہو مکروہ۔ (ایضا)

ذیل کے اس فتوٰی کا علم تجوید سے گہرا ارتباط ہونے کی وجہ سے اسے بھی ملاحظہ کرتے چلیے کہ حضور سیدی اعلیٰ حضرت سے دریافت کیا گیا کہ تجوید نہ جاننے والے کو امام بنانا کیسا؟ اور اس کے پیچھے تجوید داں کی نماز کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

اگر ایسی غلطیاں کرتا ہے کہ معنی میں فساد آتا ہے مثلاً حرف کی تبدیل جیسے ع، ط، ص، ح، ظ کی جگہ ا، ت، س، ہ، ز پڑھنا کہ لفظ مہمل رہ جائے یا معنی میں تغیر فاحش راہ پائے یا کھڑا پڑے کی بدتمیزی کہ حرکات بڑھ کر حروف مدہ ہو جائیں اور وہی قباحتیں لازم آئیں جس طرح بعض جہال نستعین کو نستاعین پڑھتے ہیں کہ بے معنی ہے یا لا الی اللہ تحشرون بلا تاکید کو لا الی اللہ تحشرون بلائے نافیہ کہ تغیر معنی ہے تو ہمارے ائمہ متقدمین کے مذہب صحیح و معتمد محققین پر مطلقاً خود اس کی نماز باطل ہے۔ اور جب اس کی اپنی نہ ہوگی تو قواعد داں وغیر قواعد کسی کی اس کے پیچھے نہ ہو سکے گی۔ فان صلوۃ المأموم مبتنیۃ علیٰ صلوۃ الامام۔

الغرض امام احمد رضا نے اس موضوع پر بڑی لمبی چوڑی بحث کی ہے، اور اس علم کے کسی گوشہ کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فتاوٰی رضویہ میں مسائل علمِ تجوید کی گل ریزی جابجا ملتی ہے۔ علمِ تجوید میں آپ کی حذاقت و مہارت کا حال ہے کہ جب آپ سے ضاد کے مخرج کی بابت سوال ہوا تو آپ نے اس کے جواب میں دو دو مستقل رسالے (نعم الزاد لروم الضاد اور الجام الصاد عن سنن الضاد) تحریر فرما دیے۔ اس مختصر سے مضمون میں امام احمد رضا کی تجوید دانی پر کہاں تک کلام ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس موضوع کے بقیہ گوشے کسی اور موقع کے لیے چھوڑ رکھتے ہیں۔ قد بقی خبایا فی زوایا لولا ان المدیر اوصیٰ بالا جمال لا تینا بھا۔

OOOOOO

قرآن کریم میں وجود "معرب" کا قضیہ

از: ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی، ہادی نگر، علی گڑھ

قرآن کریم میں "معرب" کے وجود کا مسئلہ علوم قرآن کے ان معرکۃ الآراء مسائل میں سے ایک ہے جو ہمیشہ موضوع بحث و نقاش رہا ہے۔ عرب کے علماء لسانیات کے نزدیک بھی یہ عربی زبان کے اہم موضوعات میں شامل ہے۔

لغوی اعتبار سے لفظ "معرب" تعریب مصدر سے اسم مفعول ہے۔ اور اصطلاحی معنی میں وہ لفظ ہے جسے غیر عرب نے وضع کیا ہو اور عربوں نے اس کے معنی موضوع لہ میں اسے استعمال کیا ہو۔ [۱] یعنی معرب غیر عربی زبان کا وہ لفظ ہے جسے عربی زبان والوں نے مستعار لے لیا ہو، اسے اپنی تحریر، تقریر اور روزمرہ میں استعمال کیا ہو، یہاں تک کہ وہ لفظ عربی لغات و معاجم کا حصہ بن گیا ہو۔ اس طرح معرب اپنی اصل کے اعتبار سے عجمی اور استعمال کے اعتبار سے عربی ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں معرب کا استعمال ہوا یا نہیں؟ یہ علما کے درمیان ایک قدیم اختلافی موضوع ہے جو آج بھی جاری و ساری ہے۔ اس موضوع پر عصر تدوین سے لے کر معاصر علما تک دو خیموں میں بٹے ہوئے ہیں۔ علما کی ایک جماعت قرآن میں معرب کے وجود کے کا اقرار کرتی ہے تو دوسری شدت سے اس کا انکار کرتی ہے۔

اللہ کی کتاب میں معرب کے وجود یا وقوع کا انکار کرنے والی جماعت کے سرخیل امام شافعی رحمہ اللہ ہیں۔ انھوں نے اپنے "الرسالہ" میں انتہائی پرزور اور مدلل انداز میں قرآن میں وقوع معرب کی نفی کی ہے، فرماتے ہیں: "لیس فی کتاب اللہ شیئ إلا بلسان العرب" [۲] (اللہ کی کتاب میں عربی زبان کے سوا کچھ نہیں ہے)، مزید فرماتے ہیں کہ "اگر کوئی یہ کہے کہ: کیا دلیل ہے کہ اللہ کی کتاب میں صرف عربی زبان ہے، اور عربی کے سوا اس میں کسی زبان کی آمیزش نہیں ہے؟ تو اس کی دلیل خود اللہ کی کتاب ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: "وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه" (ابراہیم: ۴) ......اور اللہ تعالی نے اس چیز (قران کے خالص عربی ہونے) کو اپنی کتاب کی متعدد آیتوں میں بیان کیا ہے۔ فرماتا ہے: "وانه لتنزيل رب العالمين نزل به الروح الأمين على قلبك لتكون من المنذرين بلسان عربي مبين" (الشعراء: ۱۹۲، ۱۹۵) اور فرماتا ہے: "وكذلك انزلناه حكما عربيا" (الرعد: ۳۷) اور فرماتا ہے: وكذلك اوحينا اليك قرآنا عربيا لتنذر أم القرى ومن حولها" (الشوریٰ: ۷)، اور "حم، والكتاب المبين، انا جعلناه قرآنا عربيا لعلكم تعقلون" (الزخرف: ۱-۳)، اور "قرآنا عربيا غير

ذی عوج لعلهم یتقون" (الزمر: ۲۸) ۳

امام شافعی ان آیات کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالی نے نہ صرف قرآن کے عربی ہونے کا اثبات کیا ہے بلکہ صراحت کے ساتھ اس کی غیر عربی ہونے کی نفی بھی کی ہے۔ ارشاد فرماتا ہے: "ولقد نعلم انهم یقولون انما یعلمه بشر، لسان الذی یلحدون الیه اعجمی وهذا لسان عربی مبین" (النحل: ۱۰۳) اور فرماتا ہے: "ولو جعلناه قرآنا اعجمیا لقالوا لو لا فصلت آیاته اعجمی و عربی" (فصلت: ۴۴) ۴

اور بلاشبہ ان آیات کے ظاہر کی دلالت امام شافعی کے موقف کی تائید کر رہی ہے۔ ان کے بعد مشہور مفسر ابن جریر طبری نے مانعین کی قیادت سنبھالی، انھوں نے اپنی تفسیر کے مقدمے میں اس موضوع سے متعلق ایک خاص فصل قائم کی ہے، جس میں بڑی شد و مد کے ساتھ قرآن میں معرب کے وجود کا انکار کیا ہے، اور اپنے موقف کے اثبات پر دلائل و براہین کو جمع کیا ہے۔ ان کے نزدیک وہ تمام الفاظ جنھیں معرب کہا جاتا ہے وہ توافق السنہ کے قبیل سے ہیں، اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ یعنی یہ محض اتفاق ہے کہ بعض زبانوں میں کچھ ایسے الفاظ ملتے ہیں جنھیں عربی کے بعض الفاظ سے صوری مشابہت ہے۔ (۵)

امام طبری نے قرآن میں وجود معرب کے قول کرنے والوں کے تمام دلائل کو ذکر کرنے، اور ان کا جواب دینے کے بعد لکھتے ہیں کہ "وقد دللنا علی صحة القول، بمافیه الکفایة، لمن وُفِّق لفهمه، علی ان الله. جل ثناء ه. أنزل جمیع القرآن بلسان العرب دون غیرها" (ہم نے اس بات کے صحت کے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ سمجھدار کے لیے کافی ہیں کہ اللہ تبارک و تعالی نے سارے قرآن کو صرف عربی زبان میں اتارا ہے۔ ۶

مانعین میں تیسرا بڑا نام ابوعبیدہ معمر بن مثنی کا ہے، انھوں نے قرآن میں معرب کا دعوی کرنے والوں کی سخت مذمت کی ہے۔ علما نے ان کا یہ مشہور قول نقل کیا ہے: "ان من زعم ان فی القرآن لسانا غیر العربیة فقد اعظم علی الله القول" (جو بھی یہ گمان کرتا ہے کہ قرآن عربی کے سوا کوئی اور زبان ہے وہ اللہ کے حضور بڑی جرأت کی بات کرتا ہے)۔ ۷

ابن الفارس لغوی نے عبیدہ کی مکمل تائید کی ہے، معرب پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "فالقول اذن ما قاله ابو عبیدة، و ان کان قوم من الاوائل قد ذهبوا الی غیرة" (بات تو وہی ہے جو ابوعبیدہ نے کہی ہے اگرچہ کچھ متقدمین کی رائے ان کے خلاف ہے۔ ۸ امام رازی اور باقلانی بھی مانعین کی فہرست میں شامل ہیں۔

معاصر محققین میں احمد شاکر اس نقطۂ نظر کے علمبردار ہیں۔ انھوں نے جوالیقی کی کتاب

"المعرب من کلام الأعجمی" کی تحقیق کی ہے، اوران تمام الفاظ کو عربی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جنھیں صاحب کتاب نے غیر عربی قرار دیا ہے۔ ۹

دوسری جماعت یعنی قرآن کریم میں معرب کے وجود کے قائلین میں سب سے نماں نام ابوعبید القاسم بن سلام کا ہے۔ ان کی اور اس جماعت کی دلیل یہ ہے کہ صحابۂ کرام اور تابعین قرآن میں معرب کے وجود کے قائل ہیں اور یہ لوگ تاویل قرآن کو ابوعبیدہ سے زیادہ جانتے ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن عباس، عکرمہ اور سعید بن جبیرہ وغیرہ سے قرآن کے متعدد الفاظ کے بارے میں مروی ہے کہ یہ دوسری زبانوں کے الفاظ ہیں۔ جیسے: سجیل، المشکاۃ، الطور، أباریق اور استبرق وغیرہ۔ ۱۰

ابوالمنصور جوالیقی (متوفی: ۵۴۰ھ) نے اس موضوع پر "المعرب من کلام الأعجمی" نام کی ایک مفصل کتاب لکھی ہے، جس میں عربی زبان میں موجود دوسری زبانوں کے الفاظ کو جمع کیا ہے۔ ان میں سے بعض الفاظ قرآن میں بھی وارد ہوئے ہیں۔ صاحب کشاف زمخشری بھی قرآن میں وقوع معرب کے قائل تھے۔

جلال الدین سیوطی (متوفی: ۹۱۱) کا بھی یہی موقف تھا، چنانچہ انھوں نے اپنی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" کی اڑتیسویں فصل کا عنوان "ما وقع فی القرآن بغیر لغۃ العرب" رکھا ہے۔ ۱۱ اس کے علاوہ انھوں نے اس موضوع پر دو مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں: پہلی کتاب کا نام "المھذب فیما وقع فی القرآن من المعرب" ہے۔ ۱۲ اس کی کتاب کی طرف سیوطی نے اتقان میں اشارہ بھی کیا ہے۔ ۱۳ اور دوسری کتاب "المتوکلی" ہے، جسے انھوں نے خلیفہ متوکل علی اللہ کی فرمائش پر لکھا تھا۔ ضمنی اعتبار سے اس کی تالیف مؤخر ہونے کے سبب اتقان میں اس کا ذکر نہیں ہوا ہے۔ مہذب کی ترتیب حروف ہجا کے اعتبار سے ہے، اور متوکلی کی لغات کے اعتبار سے ہے۔

متوکلی میں قرآن مجید میں وارد ایک سو چھبیس ۱۲۶ معرب الفاظ کا ذکر ہے جو گیارہ زبانوں کے ہیں، اور یہ زبانیں حبشی، فارسی، رومی، ہندوستانی، سریانی، عبرانی، نبطی، قبطی، ترکی، زنجی اور بربری ہیں۔

معاصرین میں یہ موقف رکھنے والوں میں سب سے نمایاں نام ڈاکٹر رمضان عبدالتواب کا ہے۔ وہ احمد شاکر پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "ویطول بنا القول لو ذھبنا نعد الأمثلۃ التی تدل علی تعصب الشیخ احمد شاکر بوقوع المعرب فی القرآن وھو تعصب لا مبرر لہ" (اگر ہم ان مثالوں کو جمع کرنے لگیں جو قرآن میں وقوع معرب کے موضوع سے متعلق شیخ احمد شاکر کے تعصب بے جا کی نشاندہی کرتی ہیں؛ تو بات بڑی لمبی ہوجائے گی، اوران کے اس تعصب کے لیے کوئی جواز نہیں ہے)۔ ۱۴

قرآن کریم میں معرب کے وجود کا انکار کرنے والوں کا خیال درست نہیں ہے کہ یہ ان آیات

کے خلاف ہے جن میں قرآن کے عربی ہونے کی بات کہی گئی ہے، کیونکہ یہ بات تو اس وقت درست ہوتی جب کہ یہ کہا جاتا کہ قرآن نے یہ الفاظ براہ راست غیر عربی زبانوں سے لیے ہیں، لیکن یہ کوئی نہیں کہتا، بلکہ یہ الفاظ نزول قرآن سے بہت پہلے عربی زبان میں استعمال ہو رہے تھے، اور عربی زبان کے لسانی تقاضوں کے مطابق ان میں صوتی و معنوی تغیرات بھی آچکے تھے۔ اس کے بعد قرآن نے انھیں استعمال کیا ہے۔ لہٰذا ان سے قرآن کی عربیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا خواہ ان الفاظ کی اصل کوئی بھی زبان ہو۔

چنانچہ خود ابن سلام صحابۂ کرام کے حوالے اسے ابن عبیدہ کی تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”هولاء اعلم بالتاويل من ابى عبيدة، ولكنهم ذهبوا الى مذهب و ذهب هذا الى غيره، وكلا هما مصيب ان شاء الله، وذالك ان هذه الحروف بغير لسان العرب فى الاصل فقال اولئك على الاصل، ثم لفظت به العرب بالسنتها فصار عربيا بتعريبها اياه، فهى عربية فى هذه الحال، و اعجمية الاصل“ (یہ حضرات تفسیر قرآن کو ابوعبیدہ سے زیادہ جانتے تھے، لیکن ان کا موقف الگ تھا اور ابوعبیدہ کا الگ، اور ان شاء اللہ دونوں ہی اپنے موقف میں حق بجانب ہیں، اور دو اس طور پر کہ یہ الفاظ اپنی اصل کے اعتبار سے غیر عربی زبان کے ہیں تو ان حضرات کی بات اصل کے اعتبار سے ہے، پھر عربوں نے انھیں اپنی زبان میں شامل کرلیا تو یہ عربی قواعد کی رعایت کے ساتھ استعمال کے سبب عربی الفاظ ہو گئے، لہٰذا اس حال میں یہ عربی ہیں اور اصل کے اعتبار سے عجمی ہیں)۔ ۱۵

اور رہا زبانوں کا باہم تاثیر و تاثر کا تبادلہ اور الفاظ کا لین دین تو آج یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ صرف عربی زبان ہی نہیں بلکہ دنیا کی کوئی باضابطہ زبان نہیں ہے جس کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ وہ خالص اور غیر مخلط ہے، یا کسی بھی دوسری زبان کے اثر سے پوری طرح محفوظ ہے۔ آج دنیا کی سارے زبانوں کے ماہرین لسانیات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بنی نوع انسان کی مہذب نسلوں میں کوئی ایک بھی زبان نہیں ہے جو دوسری زبانوں کی آمیزش سے پوری طرح پاک ہو۔

”زبانیں اپنے جغرافیائی اور تہذیبی اتصال کے دوران پوری آزادی کے ساتھ الفاظ کا لین دین کرتی ہیں اور اشیا و عادات کے ساتھ ان سے متعلق الفاظ بھی جغرافیائی اور لسانی حدود پار کرتے رہتے ہیں۔“

دنیا کی کوئی مہذب زبان دوسری زبانوں کے اتصال سے محفوظ نہیں رہ سکتی اور زبانوں کے باہمی ربط و اتصال کا لازمی و حتمی نتیجہ تاثیر و تاثر کا تبادلہ اور الفاظ اور دوسرے لسانی مظاہر کا لین دین ہوتا ہے۔ مختلف زبانوں کے ربط و اتصال کے بنیادی اسباب میں: دو مختلف زبان قوموں میں ایک کا دوسرے کے ملک میں نوآبادیات قائم کرنا، مختلف زبان بولنے والی قوموں کا ایک دوسرے کے پڑوس میں ہونا، دو مختلف زبان قوموں میں طویل جنگ کا ہونا یا ان میں دینی، تجارتی یا تہذیبی تعلقات کا ہونا۔

عربوں کے پڑوس میں غیر عربی بولنے والی کئی قومیں بھی آباد تھیں اور کئی دور دراز کی قوموں سے ان کے تجارتی تعلقات بھی تھے، لہٰذا ان قوموں کی زبانوں کے الفاظ کا عربی میں داخل ہونا ایک فطری بات ہے۔ اور اگر ان الفاظ میں سے کچھ قرآن میں بھی شامل ہوں تو ایسا عین ممکن ہے۔ لیکن یہ الفاظ اپنی اصل کے اعتبار سے عجمی ہونے کے باوجود اپنے استعمال کے لحاظ سے عربی ہی مانے جائیں گے۔

لہٰذا قرآن میں معرب کے وجود کا انکار صرف زبانوں کی سنت و فطرت سے ناواقفیت کے سبب ہے۔ قدماء کے لیے تو یہ عذر پیش کیا جاسکتا ہے کہ ان کے سامنے "لسانیات" کی یہ ترقی یافتہ شکل موجود نہیں تھی، بلکہ اس وقت تک وضع اور توقیف کا قضیہ بھی نہیں حل ہو پایا تھا، لیکن معاصرین کے لیے کوئی عذر نہیں ہے، سوائے اس کے کہ انھوں نے ایک خالص علمی مسئلے کو دینی جذبات سے جوڑ دیا ہے، بقول ڈاکٹر محمد عید: "یبدو ان الذین رفضوا وجود المعرب فی القرآن الکریم سیطر علیھم الوازع الدینی اکثر من تقریر الواقع اللغوی" (لگتا ہے کہ جن لوگوں نے قرآن میں معرب کے وجود کا انکار کیا ہے ان پر ایک لسانی حقیقت کے اظہار سے زیادہ مذہبی محرک مسلط تھا)۔ ۱۷

قرآن کریم کے عربی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ انھیں الفاظ سے مرکب ہے جنھیں اہل زبان بولتے اور سمجھتے تھے عام ازیں کہ وہ الفاظ عربی اصول سے تعلق رکھتے ہوں یا غیر عربی اصول سے۔ کیا قرآن میں معرب کے وجود سے انکار کرنے والے اس حقیقت سے انکار کرسکتے ہیں کہ اس میں انبیا بنی اسرائیل (علیہم السلام) کے نام غیر عربی اصل کے ہیں، اور اسی طرح کئی دوسرے اعلام و معارف کا تعلق بھی دوسری زبانوں سے ہے، تو اگر ان سے قرآن کی عربیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا تو کچھ اور عجمی اصل الفاظ کے قرآن میں شامل ہونے سے کیا فرق پڑسکتا ہے؟ خصوصیت سے اس صورت میں جبکہ وہ الفاظ پہلے سے عربی زبان میں شامل رہے ہوں، اور اس کے مزاج میں پوری طرح ڈھل چکے ہوں اور عرب ان کے مفہوم و مصداق سے پوری طرح واقف رہے ہوں۔

لیکن قرآن کریم یا عربی زبان میں وقوع معرب کے جواز کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ مجوزین و قائلین کی کتابوں میں جن الفاظ کو عجمی اصل قرار دیا گیا ہے ان سب کو من و عن معرب مان لیا جائے۔ اس لیے کہ جس طرح مانعین نے ہر عجمی و معرب لفظ کے لیے بہ تکلف عربی اصل و اشتقاق تلاش کرنے کی کوشش کی ہے اسی طرح قائلین نے بھی عجمیت کا حکم لگانے میں بڑی عجلت سے کام لیا ہے اور ایسے بہت سے الفاظ کو معرب قرار دے دیا ہے، جو حقیقت میں عربی اصل ہیں۔ اس لیے کہ نہ تو انھیں ان زبانوں کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات تھیں جن سے ان الفاظ کے عربی میں منتقل ہونے کا وہ دعویٰ کرتے تھے، اور نہ انھیں لفظ کی اصل و تاریخ سے متعلق علم (ایٹیمولوجی: Etymology) کے اصول و قواعد کی خاطر خواہ معرفت تھی، بلکہ اس وقت تو یہ علم باقاعدہ وجود ہی میں نہیں آیا تھا، چنانچہ ان حضرات کی کتابوں میں غلطیوں

کے بہت امکانات ہیں، جن میں زیادہ تر تین پہلوؤں سے متعلق ہیں:

۱۔ یہ ممکن ہے کہ دو زبانوں کے دو لفظ میں پائی جانے والی مشابہت محض اتفاق ہو۔ لہٰذا صرف ظاہری مشابہت کی بنیاد پر معرب کا حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ بلکہ اس کے لیے علم لسانیات کے اصول و قواعد کی رعایت ضروری ہوگی۔ مثلاً اگر دو زبانوں کے درمیان تاریخی طور پر ربط و اتصال ثابت نہ ہو تو تاثیر و تاثر کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا خواہ ان کے بعض لفظوں میں کتنی ہی صوری مشابہت کیوں نہ ہو۔

۲۔ بہت سے سامی اصل الفاظ پہلے فارسی یا پہلوی زبان میں داخل ہو گئے تھے، جب عربی میں ان کا استعمال دیکھا گیا تو انھیں معرب مان لیا گیا، حالانکہ جب وہ سامی اصل کے ہیں تو معرب کیسے ہو سکتے ہیں کیونکہ عربی خود سامی زبان کی ایک فرع ہے، یہ عین ممکن ہے کہ وہ عربی میں براہ راست اپنی سامی اصل سے منتقل ہوئے ہوں۔

۳۔ ان حضرات نے ہر اس عربی لفظ کو جو سریانی یا عبرانی میں معروف ہے معرب قرار دے دیا، اور اس بات کو نظر انداز کر دیا کہ بہت ممکن ہے کہ وہ لفظ ایک ہی سامی اصل سے نکلا ہوا ہو، اور تینوں سامی زبانوں میں مشترک ہو۔

مختصر یہ کہ قرآن کریم میں معرب کا وجود جائز اور ممکن ہے اور عربی میں یقینی اور حتمی ہے۔ لیکن قرآن ہو یا عربی زبان اس میں معرب کا تعین لسانیات کے جدید علوم کی روشنی میں از سر نو ہونا چاہیے۔

☆☆☆☆☆☆☆

۱۔ دیکھیے: محمد علی تھانوی، کشاف اصطلاحات الفنون، بیروت: شرکۃ الخیاط للکتب والنشر غیر مورخ، ۱: ۳۵۔

۲۔ الرسالۃ، بار اول، بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۹۹۹ء، ۶۱۔

۳۔ دیکھیے: نفس مرجع، ۶۳۔

۴۔ دیکھیے: نفس مرجع، ۶۴۔

۵۔ دیکھیے: جامع البیان عن تاویل آی القرآن، معروف بہ تفسیر طبری، بیروت: دار احیاء التراث العربی ۲۰۰۱ء، ۱: ۱۲۔۱۵۔

۶۔ نفس مرجع، ۱: ۱۶۔

۷۔ دیکھیے: جوالیقی، المعرب، تحقیق: احمد محمد شاکر، طہران: ۱۹۶۰ء، ۴۔

۸۔ الصاحبی، قاہرہ: المکتبہ السلفیہ، ۱۹۱۰ء، ۲۸، ۲۹۔

۹۔ دیکھیے: جوالیقی کی مذکورہ بالا کتاب پر ان کے حواشی و تعلیقات۔

۱۰۔ المعرب، مرجع سابق، ۵۔

۱۱۔ دیکھیے: الاتقان، قاہرہ: مطبعہ حجازی، غیر مورخ، ۱: ۱۳۶۔

۱۲۔ مطبوعہ قاہرہ: مطبعہ الامانہ، ۱۹۸۰ء۔

۱۳۔ دیکھیے: الاتقان، مرجع سابق، ۱:۱۳۶۔

۱۴۔ فصول فی اللغۃ، قاہرہ: دار مسلم للطباعۃ والنشر ۱۹۷۹ء، ۳۱۷، ۳۱۸۔

۱۵۔ المعرب، مرجع سابق، ۵۔

۱۶۔ John Lyons Introduction to theoritical linguistic, Cambrige University press. 1968.25:

۱۷۔ مقالہ ''العوامل الطارئۃ علی اللغۃ، مجلۃ: اللسان العربی، رباط: عرب لیگ، جلد: ۹، ۱:۲۹۔

اخبارِ رضا

O رضا اسلامک اکیڈمی، بریلی نے ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کی دو کتابیں شائع کی ہیں۔ (۱) امام احمد رضا اور علم طبعیات (۲) اقبال مسلکِ رضا کے آئینے میں۔ O محدثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد قادری چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقی، علمی، مستند اور جامع سوانح حیات بعنوان ''حیات محدثِ اعظم'' از قلم حافظ محمد عطاء الرحمٰن قادری رضوی، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری گیٹ، لاہور نے شائع کی ہے۔ O المجمع الاسلامی مبارکپور کی نئی اور اہم کتابیں: (۱) تذکرۂ مشائخ عظام بانیانِ سلاسل تصوف کا تذکرہ۔ از مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی قیمت ۱۳۰ (۲) امام احمد رضا اور تصوف۔ از مولانا محمد احمد مصباحی قیمت ۴۰ (۳) اسلامی نظام اخلاق اور خلفائے راشدین۔ از محمد احمد مصباحی، قیمت ۱۲ (۴) حقوق والدین و اولاد۔ از اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ قیمت ۱۰ (۵) معانقۂ عید۔ از اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ قیمت ۲۰ (۶) ثبوت ہلال (چاند کے مسائل) از اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ قیمت ۱۰ (۷) اسلامی معاشرت اور بندوں کے حقوق۔ از اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ قیمت ۱۶ (۸) عرفانِ رضا۔ ڈاکٹر الٰہی بخش اختر اعوان قیمت ۲۵ (۹) کلامِ رضا کا ادبی جائزہ۔ ڈاکٹر نظیر لدھیانوی قیمت ۳۲ (۱۰) انتخاب کلام رضا۔ مرتبہ محمد عبدالمبین نعمانی۔ قیمت ۱۵ (۱۱) ملفوظات حافظ ملت۔ از مولانا اختر حسین فیضی۔ قیمت ۴۰۔ رابطہ کا پتہ: منیجر المجمع الاسلامی، ملت نگر۔ مبارک پور، اعظم گڑھ (۲۷۶۴۰۴) فون نمبر 05462-250099 O کنزالایمان موومنٹ کا افتتاح: ۷ رمحرم الحرام ۱۴۲۶ھ/ ۱۷ر فروری ۲۰۰۵ء کو حضرت مولانا ریحان رضا انجم مصباحی کے دست مبارک سے کنزالایمان موومنٹ کا افتتاح عمل میں آیا۔ جس کے تحت دینی و اصلاحی کاموں کا فروغ کیا جائے گا۔ رابطہ: مقام پوسٹ: کھیری بانکا، وایا کیوٹی رنوے، ضلع مدھوبنی، بہار ۸۴۷۱۲۱

O حضرت مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی الملقب بہ ولی اللہ چشتی قادری رضوی اصدق رحمۃ اللہ علیہ کے ۳۴ ویں سالانہ عرس پاک کے موقعہ پر آپ کی تصنیف مبارک ''غیاث الطالبین'' کا رسمِ اجراء عمل میں آیا۔ ناشر: خانقاہ غیاثیہ شریفیہ، محلہ دائرہ، سہسرام (روہتاس، بہار) قیمت: ۳۵ روپے۔ OOO

عرفانِ ربّانی کی ناطق دلیل

تقریر: علامہ سیّد احمد سعید کاظمی قدس سرہٗ

ترتیب: خلیل احمد رانا...... حواشی: محمد صدیق فانی، خوش نویس

(علامہ کاظمی علیہ الرحمہ نے جامعہ انوارالعلوم ملتان کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۱۹۷۵ء کے موقع پر یہ افتتاحی تقریر فرمائی تھی، میرے دوست راؤ طالع محمد منیجر مسلم کمرشل بینک نے اسے ریکارڈ کیا تھا۔)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ارشاد باری تعالیٰ ہے! ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ (پ۲۶ سورۃ فتح) "وہ" وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تا کہ وہ اُسے غالب کردے تمام ادیان پر۔

سب سے پہلے تو بات یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ "ھو" اسم ضمیر ہے۔ "الذی" اسم موصول ہے۔ یاد رکھیے کہ ضمیر ہو یا موصول یہ دونوں اسم مبہم ہوتے ہیں، ان میں پوشیدگی ہوتی ہے۔

"ھو" یعنی وہ، اَب آپ کو کوئی پتا نہ چلا کہ کون سی ذات۔ (اسم ضمیر)

"الذی" یعنی وہی، آپ کو کوئی پتا نہ چلا کہ کون سی ذات۔ (اسم موصول)

تو میں عرض کرتا ہوں کہ ضمیر میں بھی ابہام ہوتا ہے اور موصول میں بھی ابہام ہوتا ہے۔ ضمیر کا ابہام "مرجع" سے دور ہوتا ہے یعنی جدھر ضمیر لوٹتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ مرجع ضمیر سے ضمیر کا ابہام دور ہوگا۔ مثلاً میں کہوں کہ "زید آیا اور اُس نے کہا"۔

"اُس نے کہا" یہ لفظ "اُس" ضمیر ہے۔ اب اس کا مرجع کیا ہے؟ اس کا مرجع زید ہے۔ "اس نے کہا" کس نے کہا؟ تو اب "اس" جو ضمیر ہے یہ اپنے مرجع زید کی طرف لوٹے گی یعنی زید نے کہا۔

جب تک زید یعنی مرجع نہ ہو تو ضمیر کا پتا نہیں چلے گا اور اس کی پوشیدگی دور نہیں ہوگی۔ معلوم ہوا کہ ضمیر کی پوشیدگی مرجع سے دور ہوتی ہے۔

اسم موصول میں جو ابہام اور پوشیدگی ہے وہ "صلے" سے دور ہوتا ہے، یعنی "صلہ" اسم موصول کے ابہام کو دور کرنے کے لیے ہے اور مرجع ضمیر کی پوشیدگی دور کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ھو الذی" اس میں "ھو" اسم ضمیر ہے اور "الذی" اسم موصول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں اسم مبہم بیان فرمائے۔ اب پتا نہیں چلتا کہ "ھو" کون اور "الذی" کون۔

تو بھی بات یہ کہ موصول کا ابہام اور پوشیدگی صلے سے دور ہوتی ہے اور وہ موصول کہ ضمیر یعنی ''ھو'' کا مصداق بھی وہی ہے تو جب اس کا ابہام دور ہوگا تو ضمیر کا ابہام خود بخود دُور ہو جائے گا۔

ارشاد ہوتا ہے ''الذی '' یہ الذی اسم موصول ہے اور اس کا صلہ ہے لرسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق ، یعنی اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔ مقصد یہ ہے کہ جس طرح موصول کا ابہام صلے کے بغیر دور نہیں ہوتا اور جس طرح ضمیر کا ابہام مرجع کے بغیر دور نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی معرفت میں تمہیں جو ابہام پڑ گیا ہے وہ رسول کے بغیر دور نہیں ہوگا۔ مرجع کے بغیر ضمیر نہیں پہچانی جاتی۔ صلہ کے بغیر موصول کا پتا نہیں چلتا اور رسول کے بغیر خدا کا پتا نہیں چلتا۔

آپ کہیں گے کہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ رسول کے بغیر خدا کا پتا نہیں چلتا، حالانکہ قرآن کریم تو کہہ رہا ہے کہ ! ان فی خلق السموٰت و الارض و اختلاف اللیل و النهار لایات لاولی الالباب. (پ ۴) بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات دن کے بدلنے میں اہل عقول کے لیے نشانیاں ہیں۔ اور قرآن کہتا ہے!

ان فی خلق السموٰت والارض و اختلاف الیل والنهار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما النزل اللہ من السماء من ماء فا حیا بهاالارض بعد موتها و بث فیها من کل دآ بتہٖ و تصریف الریح والسحاب المسخربین السماء والارض لاینٰت لقوم یعقلون. (سورۃ بقرہ، آیت ۱۶۴)

(ترجمہ) بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کی گردش میں اور جہازوں میں جو چلتے ہیں سمندر میں وہ چیزیں اٹھائے جو نفع پہنچاتی ہیں لوگوں کو اور جو اتارا اللہ نے بادلوں سے پانی پھر زندہ کیا اس کے ساتھ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد اور پھیلا دیئے اس میں ہر قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلتے رہنے میں اور بادل میں جو حکم کا پابند ہو کر آسمان اور زمین کے درمیان (لٹکتا رہتا) ہے (ان سب میں) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں۔

امور کائنات کا ہر ذرہ خدا کی قدرت کا نشان ہے اور نشان سے اگر پتا نہ چلے تو وہ نشان کا ہے کا؟ تو آپ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ رسول کے بغیر خدا کا پتہ نہیں چلتا۔ گھاس کا ایک تنکا بھی خدا تعالیٰ کی قدرت کا نشان ہے، چاند، سورج، یہ دن رات کی گردشیں، ہوائیں، سمندر، پہاڑ، نباتات، جمادات، موالید، عناصر، معانی، جواہر اور جملہ کائنات ایک ایک ذرہ خدا کی قدرت، خدا کی معرفت کا نشان ہے، اور نشان وہ ہوتا ہے جس سے کسی کا پتہ چلتا ہے۔ ہم چاند کو دیکھتے ہیں، سورج کو دیکھتے ہیں، آسمان کو دیکھتے ہیں ہمیں خدا کا پتہ چل جاتا ہے، ہر مصنوع سے صانع کا پتہ چلتا ہے، ہر مخلوق سے خالق کا پتہ چلتا ہے تو تم کیسے کہتے ہو کہ

رسول کے بغیر خدا کا پتہ نہیں چلتا، یہ بات تو سمجھ میں نہیں آتی۔

حضرات! اس میں شک نہیں کہ کائنات کا ہر ذرہ خدا کی معرفت کا نشان ہے۔آمنا وصدقنا۔اور نشانی وہی ہوتی ہے جس سے کسی چیز کا پتہ چلتا ہو۔نشانی نشان والے کے لیے دلیل ہے، سورج کی دھوپ سورج کے لیے دلیل ہے، چاند کی چاندنی چاند کے لیے دلیل ہے۔تو کائنات کا ایک ایک ذرہ خدا کی ہستی کی دلیل اور اس کی قدرت اور صفت کا نشان ہے۔لیکن دلیلیں دو قسم کی ہوتیں ہیں۔ایک خاموش دلیل اور ایک ناطق دلیل۔

کائنات کا ہر ذرہ خدا کی ذات کی دلیل اور خدا کی ہستی کا نشان ہے، لیکن یہ وہ نشان اور وہ دلیلیں ہیں جو خاموش ہیں، یہاں تک کہ لوگوں نے ان دلیلوں کو دعویٰ بنادیا تب بھی یہ دلیلیں خاموش رہیں۔ کیا چاند نے اپنے پوجنے والوں کو کہا کہ بیوقوفو تم مجھے پوجتے ہو میں تو دلیل ہوں، تم دعویٰ کو تسلیم کرو اور دعویٰ کو پوجو۔تو بھئی چاند کبھی نہیں بولا، سورج نہیں بولا، پتھروں کو لوگوں نے پوجا پتھر نہیں بولے، آگ کو پوجا، درختوں اور جانوروں کو پوجا یہ نہ بولے۔ یہ سب دلیلیں تو تھیں مگر خاموش دلیلیں تھیں، لوگ پوجتے رہے یہ خاموش رہیں۔اور ناطق دلیل تو ایک حضور پُر نور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے اور یقین کیجیے کہ میرے آقا میرے مولا تاجدار مدنی جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی ناطق دلیل ہیں کہ جو خاموش دلیل ان کے دامن آئی وہ بھی ناطق ہوگئی۔

بتایئے کیا پتھر ناطق ہیں؟یقیناً نہیں، لیکن جب ابوجہل پتھر اپنے ہاتھ میں لایا تو ناطق ہوئے یا نہیں؟ [۱] مجھ سے اگر پوچھو تو میں کہوں گا کہ چاند بھی ناطق ہوا اور سورج بھی ناطق ہوا۔مگر نطق ایک ہی قسم کا نہیں ہوتا اور اس کے اندر حکمتیں ہیں۔اگر چاند سے آواز پیدا ہوتی تو لوگ سمجھتے کہ پتہ نہیں یہ آواز کہاں سے آئی، چاند سے ایسی کوئی آواز پیدا نہیں ہوئی کہ لوگ شبہ میں پڑ جائیں۔ بلکہ چاند کو ایسے ناطق کیا کہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ میرے پیارے تو اپنی انگلی اٹھادے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی مبارک اٹھائی اور چاند دو ٹکڑے ہوگیا۔[۲] ایمان سے کہنا یہ اس کا ناطق ہونا نہیں تھا تو اور کیا تھا۔چاند نے ناطق ہوکر بتادیا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول نہ ہوتے تو میں دو ٹکڑے کیسے ہوجاتے۔ اگر سورج سے کوئی ایسی آواز آتی تو لوگ گھبرا جاتے، دھوکے میں پڑ جاتے کہ پتہ نہیں یہ آواز کہاں سے آئی ہے۔ یہ کیسے یقین ہوتا کہ سورج بول رہا ہے۔ لیکن جب میرے آقا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منزل صہبا پر ڈوبے ہوئے سورج کو اشارہ کیا تو حدیث پاک میں آتا ہے۔

"عن اسماء بنت عميس ان النبى صلى الله عليه وسلم كان يوحى اليه وراسه فى حجر على فلم يصل العصر حتى غربت الشمس فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اصليت يا على قال لا فقال اللهم انه كان فى طاعتك طاعته رسولك فاردد عليه

الشمس قالت اسماء فريتها غربت ثم رايتها طلعت بعد ما غربت و وقفت علی الجبال و الارض و ذلك بالصهباء في خيبر." [۳]

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ خیبر میں صہباء کے مقام پر سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کی گود میں سر مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ سورج غروب ہو گیا اور حضرت مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابھی عصر کی نماز نہ پڑھی تھی۔ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے پیارے علی! کیا ابھی نماز نہیں پڑھی۔ حضرت مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا نہیں۔ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی، یا اللہ پیارے علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھے لہٰذا سورج کو واپس لوٹا دے۔

حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ میں نے سورج کو دیکھا کہ سورج غروب ہو چکا تھا پھر سورج واپس آیا زمین اور پہاڑوں پر دھوپ چمکی۔

کسی نے مجھ سے کہا کہ بھئی تم نے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھا دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک نماز قضاء ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج واپس کر دیا مگر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز قضاء ہوگئی تو سورج واپس نہیں آیا، کیونکہ غزوہ خندق کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی نمازیں قضاء ہو گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلمکی قضا نماز کے لیے تو سورج واپس نہیں آیا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک نماز قضاء ہوگئی تو سورج واپس آگیا بھئی یہ کیا بات ہوئی تم نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھا دیا۔

میں نے کہا بھئی یہ بات نہیں کیوں کہ غلاموں کا جو کمال ہوتا ہے وہ غلاموں کا نہیں ہوتا بلکہ آقاؤں کا ہوتا ہے۔ مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ غلام ہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، اُن کی قضا نماز کے لیے سورج کا واپس آنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کمال نہیں بلکہ آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ہے۔

رہا یہ سوال کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قضا نماز کے لیے سورج واپس کیوں نہیں آیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ تمام قیامت تک آنے والے مومنوں کے لیے اسوۂ حسنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، قرآن کہتا ہے!

لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة (پ۲۱، سورۃ احزاب)

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قضا نماز کے لیے ڈوبا ہوا سورج واپس آجاتا تو قیامت تک کے مسلمانوں کی قضا نماز کے لیے سورج واپس آتا اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہوتا۔ بہر حال مجھے کہنا یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قضا نماز کے لیے میرے آقا حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کو

اشارہ فرمایا تو ڈوبا ہوا سورج واپس آ گیا۔

میرے دوستو! یہ ڈوبا ہوا سورج واپس آیا، آپ نے اس کی حقیقت پر غور کیا؟ درحقیقت سورج بھی تو خدا کی دلیل ہے۔ مگر ایسی خاموش دلیل کہ لوگ سورج کو پوجتے رہے، اس دلیل کو دعویٰ بناتے رہے مگر سورج کچھ بولا ہی نہیں۔ لیکن حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے کہ جو خاموش دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں آئے وہ ناطق ہو جاتی ہے۔ تو سورج نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر واپس آ کر گویا یہ نطق کیا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کے سچے رسول نہ ہوتے تو میں اشارے سے کیسے واپس آتا۔

تو پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناطق دلیل ہیں اور کائنات کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کی خاموش دلیل ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ اگر ناطق دلیل ان چیزوں کو دلیل نہ بناتی تو ہمیں کیسے پتہ چلتا کہ یہ دلیل ہیں یا نہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے عقلا ان دلیلوں کو دعویٰ بناتے رہے، تو معلوم ہوا کہ یہ وہ دلیلیں ہیں جو خاموش ہیں۔ لیکن فرمایا اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ان کا دلیل ہونا بھی تو تیرا رہین منت ہے، تو نے اپنی زبان نبوت سے فرمایا کہ یہ دلیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کہلوایا:

ان فی خلق السموٰت والارض واختلاف الیل والنھار لایات الالباب (پ۴)

"بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات دن کے بدلنے میں اہل عقول کے لیے نشانیاں ہیں۔"

پیارے محبوب! تو خدا کی وہ ناطق دلیل ہے کہ ان دلیلوں کے دلیل ہونے کا نطق بھی تو نے کیا اور یہ خاموش دلیلیں بھی تیری بارگاہ میں آ کر ناطق ہوئیں۔ معلوم ہوا کہ اصل دلیل تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے لگ کر دلیل ہوئیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ اصل کے بغیر فرع نہیں ہوتی۔ جب اصل کے بغیر فرع نہیں ہوتی تو کوئی دلیل رسول کے بغیر نہ ہوئی، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اصل کائنات ہیں، اور دلیل نہ ہو تو دعویٰ کا پتہ نہیں چلتا، گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو خدا کا پتہ نہ چلتا۔

عزیزانِ گرامی! اتنی بات آپ کو بتادوں کہ انسانوں نے مظاہر کائنات کو کیوں پوجا؟ انسان کی فطرت میں تو خدا کی محبت تھی اور جس کی محبت تھی اُسی کو پوجنا چاہیے تھا۔ یہ کیا کہ فطرت میں تو خدا کی محبت ہے اور پوج رہا ہے چاند اور سورج کو، یہ کیا بات ہوئی؟

عزیزانِ گرامی! یہ دو باتیں ذہن میں یکجا جمع نہیں ہوتیں کہ انسان کے دل میں محبت تو خدا کی ہو اور پوجے غیر خدا کو، یہ بات کیا ہے؟

اب پہلا جملہ میں نے کہا کہ انسان کے جوہر فطرت میں محبت تو ہے خدا کی۔ یہ پہلا مقدمہ ہے

اس مقدمے کے لیے میں فقط انسان ہی کو پیش کیے دیتا ہوں۔ میں نے کہا کہ انسان کی فطرت کا جوہر ہے کہ اس میں خدا کی محبت ہے یعنی خدا کی محبت انسانی فطرت کا تقاضا ہے، تو بھئی اس کی وجہ کیا ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو انسان کہتے ہی اس لیے ہیں کہ وہ ''اَنَس'' سے بنا ہے، اور انس کے معنی ہیں کہ اس نے محبت کی۔ اور محبت کس سے کی؟ اُسی بنانے والے سے محبت کی۔ تو انسان کہتے ہی اس کو ہیں کہ بنانے والے سے محبت اپنی فطرت میں رکھتا ہو۔ بلکہ مجھے کہنے دیجیے کہ انسان کی فطرت کا جوہر ہی خدا کی محبت ہے، خدا کا اُنس ہے، کیونکہ اسی اُنس سے تو وہ بنا ہے۔ اور اُنس کے معنی ہیں کہ اس نے محبت کی اور ''اُنس'' اس کا ماخذ ہے۔ ''ا،ن،س'' اس کا مادہ ہے اور اس کے معنی محبت کے ہیں۔ تو پتہ نہیں چلتا کہ جس کی محبت کا جوہر اس کی فطرت میں ہے اس کی بجائے اس کے غیر کو پوج رہا ہے۔

میں نے ایک مرتبہ تقابل ادیان کا مضمون اسلامی یونیورسٹی بہاول پور میں پڑھایا اور یہ سوال میں نے خود کیا اور میں نے کہا کہ بھئی تقابل ادیان میں ایک عنوان ''وحدتِ ادیان'' بھی آتا ہے کہ تمام دینوں کی اصل ایک ہے، اختلاف بعد میں ہوئے اور اتنے ہوئے کہ پھر وہ اُصولی اختلاف سے بھی آگے بڑھ گئے، لیکن در حقیقت دین میں وحدت پائی جاتی ہے، دین ایک ہے اور پھر اس کے بعد جو مختلف رائیں ہوئیں وہ بعد کی چیز ہیں۔ تو اس سلسلے میں میں نے کہا کہ بعض لوگوں نے وحدت ادیان کا بنیادی نقطہ یہ قرار دیا کہ بھئی جب انسان خدا کی محبت اپنے اندر رکھتا ہے اور خدا کا اُنس اس کی فطرت میں ہے تو اب یہ مان لو کہ کوئی چاند کو پوجتا ہے تو وہ خدا ہی کو پوجتا ہے، اگر کوئی سورج کو پوجتا ہے تو وہ بھی خدا کو پوج رہا ہے، یہ دین جو الگ الگ ہیں یہ سب ایک ہی ہیں۔ چاند یا سورج کو پوجنے والا ہو، آگ یا پانی کو پوجنے والا ہو، یہ سب ایک ہی خدا کے پجاری ہیں جو ان تمام کا خالق ہے اور اسی کی محبت سب کے دل میں ہے۔ لہٰذا خواہ ظاہری صورت میں کوئی کسی کی پوجا کر رہا ہو مگر ہم یہی سمجھتے ہیں کہ یہ خدا کی پوجا کر رہے ہیں۔

میں نے کہا کہ بھئی یہ بڑی خطرناک بات ہے، اس شبہ کا ازالہ لوگوں کے ذہن سے نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس تصویر کا دوسرا رُخ میں آپ حضرات کے سامنے پیش نہ کر دوں۔ یہ شبہ بڑا قوی ہے لوگ اس میں مبتلا ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ بھئی کوئی خدا کو پوجے، کوئی رام کہے، کوئی رحیم کہے، کوئی اللہ کہے، کوئی گاڈ (god) کہے، بات ایک ہی ہے۔ وہ اگر مندر میں جاتے ہیں تو تم مسجد میں جاتے ہو، ان کا بھی ایک گھر مخصوص ہے تمہارا بھی گھر مخصوص ہے، وہ اپنے آگے مورتی کو رکھتے ہیں تو تم اپنے آگے خانہ کعبہ کو رکھتے ہو اس کے بغیر تمہاری نماز نہیں ہوتی، آخر خانہ کعبہ بھی تو پتھروں کا بنا ہوا ہے اور کیا ہے؟۔ کسی نے اپنے آگے پتھر کو رکھ لیا، کوئی اور دوسری چیز کو اپنے آگے رکھ کر عبادت کرتا ہے، لہٰذا اب آپس کے جھگڑے ختم کرو، اسلام، یہودیت، عیسائیت، مجوسیت، بت پرستی، اور دہریت وغیرہ یہ کوئی چیز نہیں، جو دہر کو پوج رہے ہیں اصل مراد ان کی بھی یہی ہے کہ کوئی ایسی مخفی طاقت ہے جو در حقیقت مؤثر ہے، وہ اس کو دہر

کہتے ہیں، تم اس کو اللہ کہتے ہو کوئی اس کو گاڈ کہتا ہے، کوئی رام کہتا ہے، کوئی رحیم کہتا ہے لہذا سب ایک ہی ہیں۔ یہ شبہ بڑا قوی ہے، میں اس کا ازالہ کرنے کے لیے تصویر کا دوسرا رخ پیش کرتا ہوں۔

تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ یہاں تک تو میں بھی متفق ہوں کہ خواہ کوئی چاند کو پوجنے والا ہو، سورج کو، گائے کو پوجے یا پیپل کو، پتھر کو پوجے یا درخت کو۔ اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ ان تمام کی پوجا کرنے کا سبب ایک ہی ہے کہ ہر پوجا کرنے والا اپنے اندر کی جوہری فطرت کی بنا پر مجبور ہے کہ جس اللہ اور جس رب کی محبت کا جوہر اس کی فطرت میں ہے، اس کی محبت کا جوہر اُسے مجبور کرتا ہے کہ وہ جس کی محبت میں تڑپ رہا ہے اس کو تلاش کرکے اُسے پالے، کیونکہ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب مل جائے۔ یہاں تک تو میں کہہ سکتا ہوں کہ چاند کو پوجنے والے یا سورج کو پوجنے والے، مندر میں جانے والے اور مسجد میں جانے والے کسی ایک ہستی کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں اور اس لیے تلاش کر رہے ہیں کہ خدا کی محبت کا جوہر ہر فطرت میں موجود ہے، اور جب کسی کے دل میں محبت ہو تو ہر محبت والے کو محبت مجبور کرتی ہے کہ محبوب کو تلاش کرے۔

اتنی بات تو آپ سب جانتے ہیں کہ عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے سب روحوں کو فرمایا کہ "الست بربکم" کیا میں تمہارا رب نہیں؟ تو سب نے کہا کیوں نہیں! تو ہمارا رب ہے۔ سب سے پہلے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اعتراف فرمایا، پھر تمام رسولوں نے، نبیوں نے، صدیقوں نے، شہیدوں نے، صالحین نے، اغواث نے، اقطاب نے، ابدال نے، ندباء نے نقباء نے، تمام معصومین نے، مومنین نے، مومنات نے، عارفین نے، عارفات نے، سالکین نے، سالکات نے، سب نے "بلیٰ"۔ پہلے بلیٰ کا نعرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لگایا۔ [۴] پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعرے پر سب نے بلیٰ کا نعرہ لگایا اور سب نے کہا کیوں نہیں ضرور تو ہمارا رب ہے۔ اور جب یہ جسم یہاں آیا اور روح اس میں آئی تو روح نے کہا کہ جس کی ربوبیت کا میں نے وہاں اقرار کیا تھا وہ ہے کہاں؟۔

اب کسی نے چاند کی طرف نظر اُٹھا کر تلاش کیا، کسی نے سورج کی طرف نظر اٹھا کر تلاش کیا، کسی نے عناصر میں تلاش کیا، کسی نے پہاڑوں میں تلاش کیا۔ اللہ اکبر

بس محبت ہے جو اس کو لیے پھرتی ہے جو کبھی آسمانوں کی جستجو کراتی ہے، کبھی زمینوں کی جستجو کراتی ہے، کبھی پانی کی جستجو کراتی ہے اور مجبور کرتی ہے کہ تلاش کرو اس محبوب کو جس کی ربوبیت کا اعتراف کیا ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ محبت تو مجبور کرے گی کہ محبوب کی تلاش کرو لیکن کامیابی ضروری نہیں، کامیابی جب ہی ہوگی جب تلاش کا ذریعہ صحیح ہوگا، اور اگر تلاش کا ذریعہ غلط ہے تو تلاش تو جاری رہے گی مگر کامیابی نہیں ہوگی۔

ایک مثال سُنیے کہ ایک پیالی میں چائے رکھی ہے اور آپ کو معلوم نہیں کہ اس میں چینی ہے یا نہیں،

تو آپ اس کو دیکھتے رہیں تو کیا آپ کو معلوم ہوگا کہ اس میں چینی ہے؟ بالکل معلوم نہیں ہوگا۔ آپ اپنے کان میں ڈالیں کہ شاید چینی کی آواز کان میں آجائے لیکن آپ کو پتہ نہیں چلے گا۔ آپ اس میں انگلی ڈال کر دیکھتے رہیں کہ بھی شاید انگلی کو پتہ چل جائے کہ چینی ہے یا نہیں۔ ہزار برس گزر جائیں تلاش جاری رہے گی مگر کامیابی نہیں ہوگی۔ کامیابی اسی وقت ہوگی جب آپ ایک گھونٹ پئیں گے۔ وہ گھونٹ قوتِ ذائقہ سے مس ہوگا تو قوت ذائقہ بتادے گی کہ اس میں چینی ہے یا نہیں۔ تلاش کا ذریعہ اگر غلط ہوگا تو تلاش جاری رہے گی مگر کامیابی نہیں ہوگی۔

میرے عزیزو ہر انسان اپنی فطرت میں خدا کی محبت کا جوہر لے کر آیا ہے، وحدت ادیان کے فلسفہ سے یہاں تک تو متفق ہوں، ہر انسان اسی محبت کے فطری تقاضے کی بنا پر اس رب کو تلاش کررہا ہے کہ جس کو بلیٰ کہہ کر رب مانا ہے، وہ کہاں ہے۔ تو تلاش کا ذریعہ جس نے عقل کو بنایا وہ دہریہ ہو گئے اور جس نے حواس کو ذریعہ بنایا وہ مظاہر پرست ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عقل بھی ذریعہ نہیں ہو سکتی، ہاں عقل سے تم میری معرفت کے لیے مدد لے سکتے ہو اور حواس سے بھی تم میری معرفت کے لیے مدد لے سکتے ہو مگر حواس پر بھروسہ نہیں کر سکتے کیونکہ یہ ناقص ہیں، عقل سے تم کام لے سکتے ہو، لیکن اس عقل پر تم بھروسہ نہ کرو کیونکہ یہ عقل، عقل ناتمام ہے۔

ارے میں کامل ہوں، عقل ناقص ہے، میں لا متناہی ہوں، حواس متناہی ہیں، میں لا محدود ہوں، اب اگر تم لامحدود کو تلاش کرنے کا ذریعہ محدود کو بنالو اور لا متناہی کو تلاش کرنے کا ذریعہ متناہی کو بنالو اور کامل کے لیے ناقص کو ذریعہ بنالو تو کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کامیاب وہ ہوگا جس نے صحیح ذریعہ کو اختیار کیا اور وہ ناکام ہوگا جس نے غلط ذریعہ کو اختیار کیا۔ بس اسی دوسرے رُخ کو سامنے رکھ لو اور اس اعتراض کا جواب سمجھ لو۔ اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کا جواب دیا اور فرمایا! **"ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ"**۔

مظاہر کائنات کو دیکھو ان سے کام لو، ان کو میرے محبوب کی زبان نے دلیل قرار دیا لیکن یاد رکھو کہ اگر تم نے تلاش کرنی ہے تو ان غلط ذریعوں کے اوپر اعتماد نہ کرو۔ میرے تلاش کرنے کا ذریعہ تمہارے حواس میں نہیں، میں حواس میں نہیں سما سکتا، میں تمہاری عقل کے دائرے میں محدود نہیں ہو سکتا۔ اگر مجھے تلاش کرنا ہے اور مجھے پانا ہے تو نہ میں حواس کی دنیا میں ملوں گا، نہ میں عقل کی دنیا میں ملوں گا، اگر ملوں گا تو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ملوں گا۔

خدا کی قسم جس نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا، اس نے خدا تعالیٰ کو کبھی نہ پایا۔ اور میں تمہیں پھر کہتا ہوں کہ خدا کی تلاش کرنے کا کامیاب ذریعہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کا ذریعہ اولیاء اللہ کی ذوات قدسیہ ہیں۔ اولیاء اللہ سے ہٹ کر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنا محال ہے اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹ کر خدا تعالیٰ تک پہنچنا

محال ہے۔ وماعلینا الا البلاغ المبین

حواشی

[۱] مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

[۲] چاند کے دو ٹکڑے کرنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات میں روشن و تابندہ تر ہے، یہ معجزہ قرآن کریم میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا "اقتربت الساعۃ وانشق القمر" (قیامت قریب آگئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا) اس آیت کریمہ کا اشارہ دنیا میں اسی واقعہ کی طرف ہے، اور مفسرین اس کی یہی تفسیر کرتے ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے، ایک پہاڑ کے ادھر اور دوسرا پہاڑ کے نیچے تھا۔ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ جو اکابر علماے حدیث سے ہیں فرماتے ہیں کہ چاند کے ٹکڑے ہونے والی حدیث کو صحابہ کرام کی جماعت کثیرہ اور اسی طرح تابعین کی جماعت کثیرہ روایت کرتی ہے اور ان سے ایک جم غفیر نے اسی طرح ہم تک یہ روایت پہنچی۔ اور آیت کریمہ نے اس کی تائید فرمائی۔

(مدارج النبوۃ، ج ۱، مطبوعہ کراچی، ص ۳۲۷۔ الشفاء از قاضی عیاض، حصہ اول، مطبوعہ ملتان، ص ۱۸۳)

[۳] اس حدیث مبارکہ کے متعلق آئمہ حدیث، اولیاے امت اور علماے ملت رحم اللہ تعالیٰ کے تاثرات و ارشادات درج ذیل ہیں۔

حضرت سیدنا امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ھذٰن حدیثان ثابتان و رواتھما ثقات" (شفا شریف، ج، اول ص ۱۸۵، مطبوعہ ملتان) یعنی اس حدیث پاک کی دونوں سندیں ثابت ہیں اور ان کے راوی ثقہ ہیں۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "قال الطحاوی و ھذٰن حدیثان ثابتان ای عندہ و کفی بہ حجتہ و رواتھما ثقات فلا عبرۃ بمن طعن فی رجالھما" (شرح شفا علی نسیم الریاض، ج ۳، ص ۱۱، مطبوعہ مصر) یعنی جب یہ دونوں حدیثیں امام طحاوی کے نزدیک ثابت ہیں تو یہ حجت کے لیے کافی ہیں اور دونوں حدیثوں کے راوی ثقہ ہیں، لہذا ان دونوں حدیثوں کے راویوں پر طعن کرنے والے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

سیدنا امام احمد بن صالح مصری رحمۃ اللہ علیہ استاذ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "حکی الطحاوی ان احمد بن صالح کان یقول لا ینبغی لمن سبیلہ العلم التخلف عن حفظ حدیث اسماء لا نہ من علامات النبوۃ" (الشفاء، ج ۱) یعنی امام طحاوی نے فرمایا کہ امام احمد بن صالح فرمایا کرتے تھے کہ اہل علم کو لائق نہیں کہ وہ حدیث اسماء (ردشمس والی حدیث) یاد نہ کریں کیونکہ یہ حدیث تو علامات نبوت سے ہے۔

حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''ردالمحتار'' میں عنوان یوں قائم کیا ''مطلب لو ردت الشمس بعد غروبہا'' (ج ۱،ص ۳۶۰) اس کے تحت حضرت اسماء والی حدیث پاک جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے حبیب خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے ڈوبا ہوا سورج واپس آیا بیان کرنے کے بعد فرمایا ''والحدیث صححہ الطحاوی و عیاض و اخرجہ جماعتہ منھم الطبرانی بسند حسن'' (ردالمحتار، ج ۱،ص ۳۶۱) یعنی اس حدیث کو امام طحاوی نے اور حضرت قاضی عیاض نے صحیح ثابت کیا ہے اور اس حدیث کو محدثین کی ایک جماعت نے باسند حسن ذکر کیا ہے ان میں سے محدث طبرانی ہیں۔ اس کے علاوہ علامہ ابن عابدین شامی نے فرمایا ''واخطا من جعلہ موضوعا کابن الجوزی و قواعدنا لا یاباہ'' (ردالمحتار، ج ۱،ص ۳۶۱) یعنی ابن جوزی وغیرہ جنہوں نے اس حدیث کو موضوع کہا انہوں نے غلط کہا ہے اور اہل سنت و جماعت کے قواعد کے یہ بات خلاف نہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''مخفی نہ رہے کہ ان کا (یعنی بعض افراد کا) یہ کہنا کہ کتب صحاح میں (حدیث مذکور کو) ذکر نہیں کیا گیا اور حسن ومنفرد ہے۔ یہ بات قابل غور وفکر ہے کیونکہ جب امام طحاوی، احمد بن صالح مدنی اور قاضی عیاض رحمہم اللہ تعالیٰ اس کی صحت اور اس کے حسن ہونے کے قائل ہیں اور انہوں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے تو اب یہ کہنا کہ کتب صحاح وحسان میں ذکر نہیں کیا گیا، درست نہ ہوگا اور لازم نہیں کہ تمام ہی احادیث مبارکہ کتب صحاح وحسان میں ذکر ہوں۔ نیز ان کا کہنا کہ اہل بیت میں سے ایک مجہول وغیر معروف عورت نے نقل کیا ہے جس کا حال کسی کو معلوم نہیں، یہ بات سیدہ اسماء بنت عمیس کے بارے میں کہنا ممنوع ہے اس لیے کہ وہ جمیلہ جلیلہ اور عاقلہ و دانا عورت ہیں، ان کے احوال معلوم ومعروف ہیں۔ (مدارج النبوۃ، ج ۲) علامہ خفاجی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں! ابن تیمیہ اور ابن جوزی کا یہ کہنا کہ حدیث اسماء موضوع ہے، بے شک ان کا یہ کہنا ان کی اپنی انکل ہے۔ (نسیم الریاض، ج ۳)

[۴] ابو سہیل قطان نے اپنی کتاب ''امالی'' میں حضرت سہیل بن صالح ہمدانی سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابو جعفر محمد بن علی سے دریافت کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے کس طرح مقدم ہیں حالانکہ آپ سب کے بعد مبعوث ہوئے۔ تو انہوں نے جواب دیا ! اللہ تعالیٰ نے جو بنی آدم کو ان کی پشتوں سے نکال کر ان سے عہد لیا اور ایک دوسرے پر گواہ بنا کے فرمایا ''الست بربکم'' اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب سے پہلے جواب میں کہا ''بلیٰ'' ایک وجہ انبیا پر تقدیم کی یہ بھی ہے۔ (خصائص کبریٰ، از علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، ج ۱،ص ۱۱۔ اور تفسیر روح المعانی)

غیر اسلامی افکار و نظریات کے رَدّ و تعاقب میں

حضرت نوری میاں علیہ الرحمۃ کا مجاہدانہ کردار

نوشاد عالم چشتی : (استاذ، دینیات، ایس۔ ٹی۔ ایس۔ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم   اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ

خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ کے معروف و مشہور بزرگ خاتم اکابر ہند شیخ المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمۃ کی ولادت باسعادت بمقام مارہرہ مطہرہ (ضلع ایٹہ یوپی) ۱۹ر شوال المکرم ۱۲۵۵ھ بمطابق ۲۶ر دسمبر ۱۸۳۹ء بروز پنجشنبہ ہوئی (۱) ۱۱ر رجب ۱۳۲۴ھ بروز شنبہ بمطابق ۳۱ر اگست ۱۹۰۶ء آپ کا تاریخ وصال ہے۔ سال وصال ''خاتم اکابر ہند'' سے نکلتا ہے۔ (۲)

حضرت نوری میاں علیہ الرحمۃ عرف ''میاں صاحب'' یقیناً اپنے دور میں اُن خاصانِ خدا میں سے ایک تھے جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں کی رشد و ہدایت کے لیے چن لیتا ہے۔ نوری میاں کی شخصیت اپنے معاصرین کے درمیان بہت ہی معروف و پرکشش رہی ہے اس کا اعتراف مشائخ زمانہ نے اپنے مکتوبات و تحریرات میں کیا ہے۔ آپ کی شخصیت لائق تقلید اور مثالی تھی۔ اس کا اندازہ آپ کی تصنیفات و تحریرات اور مکتوبات کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ اسی لیے مولوی علی احمد خاں صاحب اسیر نوری میاں صاحب کی مدح میں لکھتے ہیں ع

رنگ گلشن ہیں احمد نوری	روح ہر تن ہیں احمد نوری
بوالحسن، بوالحسین بوالحسنات	حسن احسن ہیں احمد نوری
از پے خرقۂ ابوالبرکات	جیب و دامن ہیں احمد نوری
اچھے صاحب کے نونہالوں میں	سرو سوسن ہیں احمد نوری
کشتۂ عشق، زندۂ جاوید	زیر مدفن ہیں احمد نوری
جن کو کہتے ہیں مہدیٔ دوراں	وہ ہمہ تن ہیں احمد نوری (۳)

۱۸۳۹ء تا ۱۹۰۶ء کا زمانہ مسلمانانِ برصغیر کے لیے سیاسی، سماجی، مذہبی اور اقتصادی اعتبار سے بہت ابتلاء و آزمائش اور اُتھل پتھل کا زمانہ تھا۔ جہاں ایک طرف مسلمانوں کے سیاسی قوت و اقتدار کا زوال ہو چکا تھا وہیں تثلیث کے پرستار فرنگیوں کے اقتدار کا سورج ہندوستانی سیاست کی بساط پر سازشی آب و تاب کے ساتھ طلوع ہو گیا تھا۔ ۱۸۳۹ء میں انگریزوں نے افغانستان پر لشکر کشی کر کے دوست محمد خاں کو

شکست دی تھی۔ ۱۸۴۳ء میں انگریزوں نے اپنے حلیف امیران سندھ پر بلاوجہ فوج کشی کی، تمام قلعے مسمار کرکے سندھی بیگمات کی عزت و آبرو کو پارہ پارہ کردیا۔ ۱۸۴۵ء میں پنجاب کے سکھوں پر چڑھائی پھر ۱۸۴۶ء میں ان سے معاہدہ لیکن ۱۸۴۸ء میں غلط الزامات لگا کر فرنگیوں نے اپنی فوج کے ذریعہ سکھوں کو بے دردی سے قتل کردیا۔ ۱۸۴۹ء میں پنجاب انگریزی قلمرو میں داخل کرلیا گیا۔ ۱۸۵۱ء میں برما پر ہاتھ صاف کردیا گیا۔ ۱۸۵۳ء میں برار کو ہڑپ لیا گیا۔ ۱۸۵۶ء میں نواب اودھ واجد علی شاہ کو گرفتار کرکے فرنگیوں نے کلکتہ بھیج دیا۔ اور اس طرح اودھ پر انگریز غاصبانہ قبضہ کرکے تقریباً تمام ہندوستان کے سیاہ و سفید کے مالک بن گئے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کی وہ ناکامی اور پھر مسلمانان برصغیر کے خلاف کی جانے والی فرنگیوں کی انتقامی کاروائی سے تاریخ کا ہر طالب علم خوب واقف ہے۔

ہندوستان میں تبلیغ عیسائیت کا آغاز ۱۸۱۳ء ہی سے ہوچکا تھا۔ سنہ ۱۹۰۰ء تک ایک محتاط اندازے کے مطابق عیسائی تبلیغی اداروں کے ۴۲ مشن ہندوستان میں قائم ہوچکے تھے۔ (۴) سیاسی غلبہ حاصل کرلینے کے بعد فرنگی حکومت کے کارپرداز سماجی اعتبار سے ہندو مسلم میں منافرت پھیلانے اور برسوں سے قائم آپسی میل و محبت کو ختم کرنے کے لیے اپنا کام بہت تندہی سے انجام دینا شروع کردیتے تھے۔ ہنری ایلیٹ جو کمپنی کی حکومت میں محکمہ خارجہ کا سکریٹری تھا ۱۸۴۹ء میں اس نے اپنی کتاب ''تاریخ ہندوستان'' کے دیباچہ میں لکھا:

> ''ہندو مصنفین پر مجھے بڑا افسوس ہوتا ہے ان لوگوں سے ہمیں یہ توقع تھی وہ اپنی قوم کے احساسات، توقعات اور معتقدات ہمیں بتائیں گے، لیکن وہ اب تک (شاہی) احکام و ہدایت کے مطابق لکھتے ہیں۔ محرم کے مہینے کو ''محرم شریف'' اور قرآن کو ''کلام پاک'' کہتے ہیں اور اپنی تحریروں کو ''بسم اللہ'' سے شروع کرتے ہیں۔'' (۵)

مزید اہل ہنود کو شہ دیتے ہوئے اور ان کے جذبات کو مشتعل کرتے ہوئے ہنری ایلیٹ لکھتا ہے:

> ''اب جب کہ ہندو اپنے ظالم (مسلمان) آقاؤں کے چنگل سے آزاد ہوگئے ہیں اور بے روک ٹوک اپنے دل کی باتیں ظاہر کرسکتے ہیں تب بھی ان غلامانہ ذہنیت کے لوگوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں پیدا ہوا جو اپنے ملک کے صحیح احساسات کو قلم بند کرسکے یا طویل زمانہ کی مظلومیت کی کیفیات اور جذبات کا اظہار کرسکے۔ (۶)

فرنگیوں کی اس طرح کی مشتعل اور جذبات بھڑکا دینے والی تصنیفات اور برانگیختہ کردینے والی عبارت سے اہل ہنود متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس طرح کی تحریرات سے مباحثہ، مناظرہ اور خوں ریز تصادم کی شکل میں خاطر خواہ انگریزوں کے حسب منشاء نتائج برآمد ہونے شروع ہوگئے۔ ''جمعیت مرکزیہ تبلیغ

الاسلام" شہر انبالہ کے معتمد عمومی علامہ سید غلام بھیک نیرنگ (علیہ الرحمۃ) ۱۹۲۴ء میں اپنی کتاب "غبار افق" میں سابق والی کشمیر مہاراجہ رنبیر سنگھ کی ایک کتاب (جو بطور خاص مسلمانوں کے خلاف لکھی گئی تھی) کے متعلق لکھتے ہیں:

"اسی زمانے (یعنی ۱۸۷۶ء یا اس سے کچھ قبل) کے قریب ایک بڑی مبسوط کتاب لکھی گئی جس کا نام "رنبیر کرت پراچیت مہانبندھ" "Ranber-Karit-Parayishitt-Mahaniabandh" ہے۔ یہ کتاب ہندی زبان میں ہے اور مہاراجہ رنبیر سنگھ سابق والی کشمیر کی تصنیف سمجھی جاتی ہے۔ اس کی اکیس جلدیں ہیں اس (کتاب) میں تمام نو مسلم اقوام ہند کو دوبارہ ہندو بنانے پر بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت بالکل مخفی طور سے ہوئی تا کہ عوام الناس میں کسی قسم کا چرچا نہ ہو اور جب تک تمام خواص ایک طریق کار پر متفق نہ ہو جائیں اور عملی کام کے لیے میدان صاف اور ضروری سامان مہیا نہ ہو جائے اس وقت تک یہ کتاب ایک راز سربستہ رہے۔ لیکن قابل غور یہ ہے کہ اس کتاب کو ایک بہت بڑے ہندو والی ملک نے لکھا، اس سے نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ تحریک شدھی کا آغاز اور اس کی تنظیم کیسے کیسے مقتدر ہاتھوں سے ہوئی۔ (۷)

مجادلہ، مباحثہ مناظرہ اور اصلاح سماج و معاشرہ اور مذہب یعنی reform کے نام پر ہزاروں ادارے اور سیکڑوں تنظیمیں معرض وجود میں آ گئیں۔ جدھر دیکھیے بحث و مباحثہ اور مناقشے کا بازار گرم ہے اعتقادیات کے مستحکم قلعوں میں مادیت پرستانہ منطق و فلسفہ اور لایعنی تعقل پرستی کی بنا پر شگاف ڈالنے کی مذموم کوشش کی جارہی تھی۔ اس افراتفری کے ماحول میں راسخ العقیدہ مسلمانوں کے قائدین اور علما و مشائخ کو کئی محاذوں پر فتح و کامرانی کے جھنڈے نصب کرنے تھے مگر یہ کام بہت آسان نہیں تھا۔ کیوں کہ خارجی حملوں کے ساتھ ساتھ داخلی حملوں کا فتنہ بھی بڑا شدید تھا اسی لیے علمائے ملت اسلامیہ نے دفاعی اور تعمیری صلاحیتوں کے پیش نظر اپنا اپنا میدان چن لیا۔ اس ضمن میں حضرت نوری میاں علیہ الرحمۃ نے خدمت دین متین کے سلسلہ میں کیا مجاہدانہ کردار ادا کیا اس کا جائزہ ان کی تصنیفات و تحریرات اور مکتوبات کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کروں گا؛ مگر اس سے قبل چند داخلی فتنوں پر نظر ڈالنے سے پہلے کچھ دیگر مذہبی تحریکات پر بھی ایک نگاہ ڈال لیں۔

راجہ رام موہن رائے نے ۱۸۲۸ء میں "برہمو سماج" کا قیام بردوان (بنگال) میں کیا۔ اس کے بعد دھرلو نائیڈو نے ۱۸۶۴ء میں "مدراس وید سماج" کو قائم کیا۔ مہادیو گووند رانا ڈے نے ۱۸۶۶ء میں بمبئی میں پرارتھنا سماج کی بنیاد ڈالی۔ دیانند سرسوتی نے بھی بمبئی میں ہی ۱۸۷۵ء میں آریہ سماج کی بنا ڈالی

مسلمانوں کے لیے سب سے خطرناک تحریک تھی۔ اس کی کوکھ سے تشدد پسند اسلام مخالف ہندو تنظیمیں مزید پیدا ہوتی چلی گئیں۔ ۱۸۸۶ء میں وویکانند نے رام کرشن مشن کے ذریعہ وحدت ادیان اور صلح کل کی تعلیم کے پیغام کو عام کیا۔ داخلی فتنوں میں باطنیت اور سرزیت کے علاوہ رفض و الحاد، نیچریت، قادیانیت، وہابیت، غیر مقلدیت، دیوبندیت اور ندویت کا فتنہ بھی بڑا ایمان سوز تھا۔ وہ دور مذہبی مناقشوں اور مباحثوں کا بڑا ہنگامی دور تھا۔ ماہنامہ ''جہان رضا'' لاہور کے مدیر اقبال احمد فاروقی صاحب اس دور کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

> انگریز کے اقتدار کے زمانے میں برصغیر میں ''انسانی عقائد کی آزادی'' کے نام پر ایک تحریک چلی جس کی انگریز کی گورنمنٹ آف انڈیا نے بڑی پشت پناہی کی۔ انگریز دراصل اس آزادی کے پردے میں اسلامی تہذیب وتمدن خاص کر مسلمانوں کے عقائد پر یلغار کرنا چاہتا تھا۔ انگلستان سے بدزبان مشنری پادری درآمد کیے گئے جو اسلامی نظریات کو نشانہ تنقید بناتے اور کوئی روکنے والا نہیں تھا۔ بعض پادری تو اتنے دریدہ دہن تھے کہ جناب رسالت مآب ﷺ کی ذات اقدس پر سوقیانہ حملے کرتے مگر حکومت انہیں پورا تحفظ دیتی۔ پھر انگریزوں کی شہ پر اس کے بعض وظیفہ خوار مسلمانوں نے بھی ''آزادیٔ اظہار رائے'' کی آڑ میں شانِ رسالت میں گستاخیاں شروع کردیں۔ (۸)

راقم نے اعتقادیات وروایات سواد اعظم سے انحراف کرنے والوں کے متعلق صدر الافاضل حضرت علامہ نعیم الدین مراد آبادی کی تصنیف ''اطیب البیان'' میں بطور تقدیم تاریخ محاسبۂ تقویۃ الایمان میں تفصیل سے لکھا ہے۔ عقائد سواد اعظم کے خلاف دور استعمار میں جاری چند افکار ونظریات ملاحظہ کریں جو کس قدر ایمان سوز ہیں۔

۱۔ ۱۲۹۰ھ/ ۱۸۷۳ء میں مولوی قاسم نانوتوی نے اپنی کتاب ''تحذیر الناس'' میں رسالت مآب کے متعلق اجماعی عقیدہ ختم نبوت کا انکار کیا۔

۲۔ ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۴ء میں مولوی رشید احمد گنگوہی نے ''امکان کذب'' یعنی اللہ کا جھوٹ بولنے پر قادر ہونے کا فتویٰ دیا۔

۳۔ ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۴ء میں مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے اپنی کتاب ''براہین قاطعہ'' میں رسالت مآب ﷺ کے علم پاک کو شیطان سے کم تر ثابت کیا جس کی تصدیق مولوی رشید احمد گنگوہی نے بھی کی ہے۔

۴۔ ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء میں مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب ''حفظ الایمان'' میں رسول اکرم ﷺ کے علم پاک کو پاگل، مجنون، جانور اور چوپایوں جیسی حقیر اور رذیل مخلوق سے تشبیہ دے کر رسالت

مآب ﷺ کے علم غیب کی نفی کی۔

۵۔ ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء میں مولوی قاسم نانوتوی نے اپنی کتاب "تصفیۃ العقائد" میں انبیا کرام کو مرتکب کذب اور معاصی زدہ ہونا ثابت کیا۔

اعتقادی انتشار و اضطراب کا ابھی تحریری و تصنیفی ہنگامہ برپا ہی تھا کہ ۱۸۶۸ء تا ۱۹۰۱ء کے درمیان مرزا غلام احمد قادیانی (پنجاب قادیان۔ ہندوستان) ایک مبلغ، مصلح، مجدد، مہدی، مسیح موعود کے مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے ظلی اور بروزی دعوے کے ساتھ ساتھ مستقلاً دعویٰ نبوت کردیا۔ یہ دور بہت ہنگامے کا دور تھا۔ دین اسلام اور اس کے اعتقادیات اور تہذیب و تمدن پر ہر چہار جانب سے حملے ہو رہے تھے۔ عجیب وغریب افراتفری کا ماحول تھا۔ اسی پس منظر میں ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء میں کچھ لوگوں نے رفع نزاع باہمی اور اصلاح نصاب تعلیم کو مدعا بنا کر کانپور میں اتحاد بین المسلمین کے نام پر ایک جلسے کا انعقاد کیا۔ اور اسی مجلس میں ندوۃ العلما کی بنیاد رکھی گئی۔ ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۵ء میں ندوۃ العلما کا دوسرا اجلاس لکھنؤ میں ہوا۔ نوری میاں صاحب قبلہ نے بھی اس میں شرکت فرمائی تھی۔ مولانا غلام احمد بجواری نے اپنے رسالے میں اس کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> "دوسرا اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں دیگر علمائے اہلسنّت کے علاوہ اعلیٰ حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قبلہ زیب سجادہ آستانہ قادریہ برکاتیہ احمدیہ مارہرہ مطہرہ نے بھی شرکت فرمائی۔ (۹)

اتحاد بین المسلمین کے نام پر ندوہ جماعت اہل سنت کے علاوہ ملحد و زندیق اور تمام بدمذہبوں کا ایک گہوارہ تھا جس میں سواد اعظم مغلوب اور مخالفین اہل سنت و جماعت غلبہ حاصل کیے ہوئے تھے۔ اتحاد و اتفاق مذہب وملت کے نام پر یہ ایک بھیانک مذاق تھا۔ ان نامساعد حالات میں حساس قائدین اہل سنت نے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ اب مشائخ طریقت اور علمائے شریعت اسلامیہ کے سامنے حسب ذیل چھ محاذوں پر دین کی حفاظت کرنی تھی:

۱۔ فتنۂ تبلیغ عیسائیت

۲۔ فتنۂ ارتداد

۳۔ فتنۂ قادیانیت

۴۔ فتنۂ رفض وتفضیل

۵۔ فتنۂ وہابیت

۶۔ فتنۂ دیوبندیت وندویت

فتنۂ تبلیغ عیسائیت کے سدباب کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں حضرت مولانا رحمت اللہ

کیرانوی اور ان کے معاونین کو بروقت کھڑا کردیا۔ علامہ کیرانوی جماعت اہلِ سنت کے مقتدا اور چشتی صابری سلسلے سے بیعت وارادت رکھتے تھے۔ علامہ کیرانوی نے پادری فنڈر کے ساتھ ۱۰۔۱۱ر اپریل ۱۸۵۴ء کو آگرہ میں ایک فیصلہ کن مناظرہ کیا۔ جس مین فنڈر شکست سے دوچار ہوا۔ اور ہندوستان سے راہ فرار اختیار کی۔ لیکن افسوس ہے کہ کسی حد تک جماعت اہل سنت کی بے رخی کی وجہ سے تنقیص رسالت کے ٹولے نے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی علیہ الرحمۃ کو اپنے کھاتے میں ڈال لیا ہے۔ فتنۂ ارتداد کی سرکوبی کے لیے اللہ تعالیٰ نے پنجاب کی سرزمین پر تمام مشائخ اہل سنت کو بیدار کردیا۔ پنجاب کے پیران عظام نے مشترکہ طور پر ایک تنظیم "جماعت جند اللہ" کی بنیاد ڈالی۔ اس تنظیم نے فتنۂ ارتداد کی سرکوبی میں مردانہ وار حصہ لیا۔ پیر مانکی شریف کے بزرگوں کے علاوہ پیر حمایت علی شاہ اور پیر جماعت علی شاہ کی تحفظ اسلام کے باب میں کی گئی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

قادیانیت کا فتنہ دراصل سرزمین پنجاب کے خمیر سے اٹھا تھا۔ فرنگی حکومت کے زیر حمایت یہ تحریک بہت تیزی کے ساتھ عوامی رنگ اختیار کرتی جارہی تھی۔ اسی لیے شاعر مشرق علامہ اقبال نے ضرب کلیم میں "پنجابی مسلمان" کے عنوان سے کہا:

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت ۔۔۔ کرلے کہیں منزل تو گزرتا ہے بہت جلد
تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا ۔۔۔ ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد
تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگادے ۔۔۔ یہ شاخ نشیمن سے اُترتا ہے بہت جلد!

قادیانی فتنے کے سدباب کے لیے تصنیف وتالیف اور رسائل نے وہ موثر کردار ادا نہیں کیا جو اس کی تنقید وتعاقب اور اس کے اثرات کو زائل کرنے میں مشائخ اہل سنت کی عملی جدوجہد اور مناظرہ و مباحث کے علاوہ محفل مجادلہ کے انعقاد نے ادا کیا۔ عملی جدوجہد کے روح رواں حضرت سید پیر مہر علی شاہ چشتی گیلانی گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ پنجاب کے مختلف علاقوں میں اور خاص کر لاہور کو مرکز بناکر آپ نے "قادیانیت" کی جو بیخ کنی کی اس کو بھلایا نہیں جاسکتا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے مباحثہ، مناظرہ، یا مجادلہ ہر طرح کے چیلنج کو سید پیر مہر علی شاہ صاحب نے قبول کر کے مرزا کو ہر محاذ پر شکست فاش دی جسے عوام وخواص نے اپنے سر کی آنکھوں سے مجمع عام میں دیکھا اور اس کے اثرات کو قبول کیا۔ حضرت مولانا سید شاہ حسین گردیزی (مصنف "حقائق تحریک بالاکوٹ") نے کراچی میں دوران ملاقات بتایا کہ حضرت پیر صاحب قبلہ کو خانقاہ مارہرہ شریف سے نہ صرف واقفیت تھی بلکہ وہ اس سے ذاتی راہ ورسم بھی رکھتے تھے۔

رفض وتفضیل کا فتنہ دراصل ہندوستان میں ایرانی اثر ورسوخ کے ذریعہ عہد جہانگیر میں وارد ہوا۔ مجدد زماں میر سید عبدالواحد بلگرامی چشتی علیہ الرحمۃ نے "سبع سنابل" لکھ کر اس فتنے کا ایسا سد باب کیا کہ یہ تحریک کبھی بھی عوامی تحریک نہ بن سکی۔ بلکہ اس فکر سے متاثر ہونے والوں میں چند زر پرست تعیش پسند

عوام و خواص ہی شامل رہے۔

فتنہ وہابیت ہندوستان کے قلب اور راجدھانی دہلی سے اُٹھا جس کے سدّ باب میں دہلی کے مشائخ عظام اور علمائے کرام نے مجاہد جلیل بطل حریت حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی چشتی علیہ الرحمۃ کی معیت میں مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ اس فتنے کی سرکوبی میں مشرقی ہند کے علما اور مشائخ زیادہ پیش پیش تھے۔ سوادِ اعظم کی ضرب کاری سے یہ فتنہ آج بھی گھائل ہے۔

دیوبندیت اور ندویت کا فتنہ خاص شمالی ہند کے صوبہ یوپی سے اٹھا اور اس فتنے سے پہلے پہل زیادہ متاثر اسی اطراف و قرب و جوانب کے لوگ ہوئے۔ اسی لیے اسی اطراف کے علما اور مشائخ نے اس فتنے کو مٹانے کے لیے پوری تندہی سے کام لیا۔ مدارس و خانقاہ کے وابستگان خاموش نہیں بیٹھے رہے۔ ہر فرد نے حسب استطاعت حفاظتِ دین کے لیے کمر باندھ لیا۔ حضرت نوری میاں علیہ الرحمۃ انھیں خدا رسیدہ بزرگوں میں ایک تھے جنہوں نے صحیح معنوں میں اپنے اسلاف کی جانشینی اور اپنے اخلاف کی بہترین رہ نمائی کی۔ حفاظت دین کے لیے نہ صرف تصنیف و تالیف سے کام لیا بلکہ مختلف علاقوں میں سفر بھی کیا۔ جہاں خلق خدا کو بیعت و ارشاد کے ذریعہ سوادِ اعظم سے منسلک رکھا۔ نوری میاں صاحب اپنی تصنیف ''سراج العوارف'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

''سرکارِ دوعالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی چیز ہے۔ لہٰذا جاننا چاہیے کہ شریعت مطہرہ سارے علوم پر حاوی ہے۔ جو کچھ اس سے باہر ہے وہ غلط اور ناپسندیدہ ہے۔ نفس اور شیطان کی قید میں پھنسے گمراہوں نے ڈینگیں مارنے اچھل کود کرنے، سر کے بال کمر تک پہنچانے، داڑھی کتروانے، ریشم پہننے، باجے گاجے سننے اور طوائفوں کے ناچ دیکھنے کو سلوک کا نام دے رکھا ہے۔ اور شریعت سے ٹھٹھا کرنے، علمائے شریعت سے دشمنی پالنے، انھیں حقیر جاننے اور حلول و اتحاد کے اعتقاد اور انی انا اللہ کے نعرہ کو تصوف کا کمال سمجھ رکھا ہے۔ صبح کو معلوم ہوگا کہ تو نے اندھیری رات میں کس سے عشق کی بازی لگائی تھی۔

اس لیے فقیر (سید ابوالحسین احمد نوری) نے اس وقت جب کہ ''رنج و فکر'' کا ہجوم ہے اور طرح طرح کی پریشانیاں ہیں۔ اپنی یادگار اور اپنے بعد والوں اور خاندان کے متوسلین کی نصیحت کے لیے بطور نمونہ یہ کتاب مختصر مرتب کی ہے۔ جس میں وصایا عقائد و تصوف و سلوک و فقیہات و اخلاق اور فوائد کی روشنیوں پر مشتمل سات باب ہیں اور اس کا تاریخی نام سراج العوارف فی الوصایا والمعارف رکھا۔ (۱۰)

نوری میاں صاحب کے اس اقتباس میں ''رنج و فکر کا ہجوم'' کا جملہ اپنے عہد کے سیاسی سماجی معاشی

اور مذہبی حالات پر بھرپور روشنی ڈالتا ہے۔ آپ نے اس جملے کے ذریعے اپنے عہد کا پورا نقشہ قارئین کے سامنے رکھ دیا ہے اور تصنیف و تالیف کی غرض و غایت بھی بتادی ہے۔ ساتھ ہی بلا خوف و خطر حق بات بھی کہہ دی ہے۔ مگر انداز بیان جاذب و دلکش ہے جارحانہ نہیں۔ اور ایک مصلح کا یہی کمال ہے۔

ارشاد باری ہے انذر عشیرتک اپنے قرابت داروں کو ڈراؤ حکم ربانی کے مطابق تبلیغ و اصلاح کی پہلی منزل اپنے اہل خانہ اور خاص عزیز و اقارب ہیں اس کے بعد معاشرے کے دیگر افراد۔ سنت نبوی کے اتباع میں حکم خداوندی کی پاسداری کرتے ہوئے حضرت نوری میاں صاحب نے خاندان اور متوسلین کا بھی ذکر کیا ہے۔ احباب و متوسلین اور عامۃ المسلمین کو متوجہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس زمانہ (۱۳۲۹ھ) میں ہندوستان میں ایک گمراہ فرقہ پیدا ہوا۔ جس کی شروعات بدعت اور ایک دوسرے کو لڑانے سے ہوتی ہے۔ اور اس کا نام الحاد و زندقہ ہے۔ عرب میں اسے وہابی کہتے ہیں جو ابن عبدالوہاب نجدی سے منسوب ہے۔ یہ ایک شیطان تھا جو عرب شریف میں پیدا ہوا تھا۔ ہرگز ہرگز اس گمراہ فرقے سے میل جول نہ رکھیں اور اس مکار گروہ کی پہچان کے لیے بس یہی کافی ہے جو ہم کہتے ہیں کہ یہ فرقہ رافضیوں کا چچا ہے۔ رافضی صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ اور یہ وہابی رسول مقبول ﷺ کی شانِ اقدس بلکہ خدائے عزوجل کی بارگاہ میں گستاخیاں اور بے ادبیاں کرتے ہیں چنانچہ خدا تعالیٰ سے جھوٹ بولنے کا امکان اور علم و صدق وغیرہ صفاتِ الٰہیہ کو اختیاری مانتے ہیں۔ اللہ کی پناہ اس فرقے سے۔

اس فرقہ کی آخری کوشش کا نتیجہ فرقہ نیچریہ ہے۔ ابلیس کی بدمعاش ماں نے ایک بیٹی پیدا کی جب تک وہ کم عمر رہتی ہے اسے وہابی کہا جاتا ہے اور جب بالغ ہوتی ہے اور الحاد کا خون اس کی رگوں میں جوش مارتا ہے۔ اور وہ اپنے شوہر کفر کا منہ دیکھتی ہے تو نیچریت کہی جاتی ہے۔ ان دونوں فرقوں سے بہت دور رہنا ضروری ہے کہ کالے سانپ اور راستہ بھٹکانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسوں کی صحبت سے اپنی امان میں رکھے۔ آمین (۱۱)

مولانا قاضی غلام شبر برکاتی نے ''تذکرۂ نوری'' کے نام سے تفصیل سے حضرت نوری میاں علیہ الرحمۃ کی سوانح لکھی ہے۔ قاضی صاحب نے حضرت میاں صاحب کی راسخ الاعتقادی اور تصلب فی الدین نیز تبلیغ دین کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ رفض و تفضیل کے سدباب میں میاں صاحب کے مجاہدانہ کردار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مسائل اعتقادیہ میں حضور اقدس سرہ کے رسائل موجود ہیں۔ عسل مصفی فی عقائد

ارباب التقی خاص اعتقاد ضرور یہ اہل سنت میں تصنیف فرما کر طبع و مشتہر کردیا۔ جس وقت بدایوں میں بعض خدام سلسلۂ عالیہ برکاتیہ میں تفضیل مرتضوی کا فتنہ اٹھا حضور اقدس قدس سرہٗ نے علاوہ ہدایاتِ زبانی بعض مختصر تحریرات کے ایک رسالہ نافع ''دلیل الیقین من کلمات العارفین'' تصنیف فرما کر طبع اور مشتہر کیا۔ اور عقائد حضرات مشائخ جمع فرما کر دکھایا کہ تمام صوفیہ صافیہ مذہب اہل سنت کے پابند ہیں اور یہ غلط ہے کہ صوفیہ کرام کا مسلک خلاف علما ظاہر ہے۔

بعض حضرات کے اس افترا پر کہ آپ کا عقیدہ آپ کے اسلاف کرام کے خلاف ہے۔ بعضوں کے اس لغو قول پر کہ عقیدہ باطنی حضور کا اور ہے اور وہ تفضیل مرتضوی ہے۔ حضور اقدس نے ایک تحریر شائع فرمائی جو بعض رسائل کے آخر میں اس وقت بھی شائع ہوئی اور یہاں بھی اس کی نقل کی جاتی ہے:

''الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلوٰة والسلام على رسوله سيدنا محمد و اله و اصحابه اجمعين اما بعد! فقیر حقیر سید ابوالحسین احمد نوری الملقب بہ میاں صاحب قادری برکاتی بخدمت کافہ انام اہل اسلام وخصوص مریدان خاندان و مریدان ذات خاص یہ خطاب کرتا ہے کہ عقیدہ اس فقیر کا اور اسلاف فقیر کا اور اساتذہ فقیر کا وہی ہے جس کو فقیر دہ سروپا عسل مصفی اور دلیل الیقین میں ظاہر کر چکا۔ اب جو صاحب کے خلاف اس کے ہوں ان سے فقیر بری ہے اور وہ فقیر سے بری ہیں وما علینا الا البلاغ۔ تحریر ۳ ربیع الثانی ۱۳۰۳ھ بمقام گجرات بزودہ۔'' (۱۲)

تفضیل کے مسئلے میں میاں صاحب کی ایک تصنیف کا تعارف کراتے ہوئے قاضی غلام شبر صاحب بدایونی لکھتے ہیں:

دلیل الیقین من کلمات العارفین:

''تفضیل کلی حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا اثبات۔ حضرات تفضیلہ کے شبہات کا ازالہ نہایت وضاحت سے فرمایا گیا۔ نہایت معتمد اور مفید رسالہ ہے خصوصاً ان حضرات تفضیلہ پر جو کہتے ہیں کہ تفضیل شیخین رضی اللہ عنہما صرف فقہا اور علمائے ظاہر کا مسلک ہے۔ عرفا و اہل طریقت تفضیل حضور سیدنا امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ورضی اللہ عنہ کے قائل ہیں۔ حجۃ اللہ ہے، ہر طبقہ کے عرفاء وصوفیہ قدست اسرارہم کے اقوال سے ثابت فرمایا ہے کہ تفضیل شیخین رضی اللہ عنہما مسئلہ مسلمہ اہل سنت ہے۔ عام اکابر عرفا خصوصاً تاجدارانِ سرکار مارہرہ قدست اسرارہم کی محققانہ تصریحین صاف پکارتی ہیں کہ مفضلہ شیعی ہیں اور اہل سنت سے خارج جو کچھ گفت و شنود ہے وہ علمائے ظاہر میں ہے۔ یہ حضرات بلا اختلاف اسی

مسئلہ پر سالک ہیں۔ قابل زیارت رسالہ ہے۔ بزبان فارسی ہے چھپ کر شائع ہوگیا ہے لاجواب تھا لاجواب ہے۔" (۱۳)

اسی لیے فاضل بریلوی نوری میاں صاحب کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شب بدعت سے کیسے ہو کافور　　نور افزا ہے احمد نوری

رفض و تفضیل و ندوہ کا قاتل　　سنت آرا ہے احمد نوری

تفضیلیت کے سدِ باب میں میاں صاحب کی ایک تصنیف کا ذکر کرتے ہوئے قاضی غلام شبر لکھتے ہیں:

"سوال و جواب، یہ بھی اردو زبان میں مختصر مسئلہ تفضیل کا فیصلہ ہے اور حق یہ ہے کہ عجیب تحقیق سے مالا مال ہے۔ آج تک باوجود کوشش اور اجتماع حضرات تفضیلیہ سے اس کا جواب نہ ہوسکا۔" (۱۴)

پیر طریقت اگر ماہر نفسیات نہ ہو تو وہ مرید و متوسلین کا تزکیہ نفس نہیں کرسکتا۔ اس حوالے سے اگر ہم حضرت نوری میاں کی شخصیت کا جائزہ لیں تو ان میں انسانی نفسیات کو سمجھنے کا مادہ پایا جاتا تھا۔ اس حوالے سے ان کی ایک کتاب عسل مصطفیٰ فی عقاید ارباب التقیٰ قابل ملاحظہ ہے۔ یہ کتاب شائع ہوچکی ہے۔ اس کے تعارف میں قاضی غلام شبر برکاتی بدایونی لکھتے ہیں:

عسل مصفی فی عقاید ارباب التقی:

"یہ اردو زبان میں عقائد حقہ اہل سنت کے بیان میں نہایت مختصر مفید بچوں کی تعلیم کے مناسب بلکہ ضروری رسالہ ہے۔ ابتداء میں جب بچے عقائد اہل سنت سے واقف ہوجاتے ہیں بد مذہبوں کا قابو نہیں رہتا۔ ان کے فریب اور شبہات سے حفاظت ہوجاتی ہے یہ رسالہ چھپ کر شائع ہوگیا ہے۔" (۱۵)

یہ کتاب خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔ اس کتاب کا Call No. Acc 74766 ہے۔ کل صفحات ۴۸ ہیں۔ نامور پریس الہ آباد سے ۱۳۰۲ھ میں چھپی ہے مگر مجھے دستیاب نہ ہوسکی۔ پوچھنے پر عملہ نے کہا کہ کمپیوٹر میں اندراج کے لیے کتابیں جگہ سے ہٹی ہوئی ہیں۔ اس لیے بروقت فراہم نہیں ہوسکی۔

میاں صاحب کے عہد کا ایک فتنہ دیوبندیت کے علاوہ ندویت بھی ہے۔ اس فتنے کی سرکوبی میں میاں صاحب نے تحریر کے علاوہ تبلیغی اسفار بھی فرمایا۔ میاں صاحب کی ایک تصنیف کے متعلق قاضی غلام شبر صاحب لکھتے ہیں:

اشتہار نوری یہ ایک مفید مختصر تحریر ہے۔ جو وقت سیوع فتنہ ندوہ کے جس وقت بعض علمائے اہل سنت عقاید ندویہ سے دھوکہ کھا کر شامل ندوہ ہوگئے تھے ان کی تنبیہ اور اکثر فوائد جلیلہ پر شامل ہے۔ طبع ہوکر شائع ہوچکا ہے۔ (۱۶)

مفاسدِ ندوہ کے رد و ابطال میں نوری میاں صاحب کی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے قاضی غلام شبر صاحب بدایونی لکھتے ہیں:

''فتنہ ندوہ میں بعض مجالس کے صدر حضور قرار پاتے اور آپ نے بوجہ حمایت مذہب اہل سنت منظور فرمایا۔ باوجود خلق عام و مشرب فقیر بد مذہبوں سے احتراز فرماتے۔ ان کی صحبت سے اجتناب کا حکم دیتے۔'' (۱۷)

ندوے میں شرکت کے حوالے سے مکتوبات علما و کلام اہل صفا (۱۳۶۳ھ) کے مرتب حافظ سید محمد عبدالکریم صاحب قادری نے حضرت نوری میاں صاحب کا ایک خط فاضل بریلوی کے نام سے شائع کیا ہے۔ مکتوب کا مضمون قارئین کے مطالعے کے لیے حاضر خدمت ہے۔

صحیفہ اعلیٰ حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قبلہ،

زیب سجادہ علیہ قادریہ برکاتیہ احمدیہ مارہرہ مطہرہ

ملاحظہ مولانا مولوی محمد احمد رضا خاں صاحب عنایۃ

بعد سلام و دعا واضح ہو رسائل مع خط پہنچے۔ سال گزشتہ احقر خود بہ تحریک برادر عزیز الدین حسن کے لکھنؤ واسطے دیکھنے کیفیت اس جلسہ کے گیا تھا۔ جب جا کر پہلے دن یہ حال دیکھا کہ اہل حق و باطل سب شریک جلسہ ہیں۔ نہایت ناگوار گزرا۔ اگرچہ اس وقت وہاں سے نہ اٹھا اس خیال سے کہ اخیر تک کیفیت جلسہ سمجھ لوں۔ مگر پھر باجود یہ کہ پانچ چار روز مقیم رہا شریک جلسہ نہ ہوا۔ اور واسطے دریافت انتہائے نتیجہ ندوہ کے وہیں مقیم رہا۔ اور میں نے ایک مولوی سے وجہ شرکت مبتدعان دریافت کی۔ تو انھوں نے ایسا عذر کیا کہ ہم منسوخی اس قانون حجاج کی چاہتے ہیں۔ اس طور سے کہ کسی مسلمان کا ملت اسلامیہ میں خلاف نہ جاوے۔ کیونکہ اگر خلاف گیا تو نزدیک مجوزین قانون کے بہانہ ہو جاوے گا کہ فرق اسلام میں سے بعض فرقے اس سے راضی ہیں۔ اور وہ سب ہی کو مسلمان یکساں سمجھتے ہیں۔ اس مصلحت سے شریک کیا ہے ویسے نہیں کیا ہے۔ مجھے یہ مصلحت ان کی پسند نہ آئی۔ کیونکہ اس میں آئندہ بڑا مفسدہ نظر آیا کہ عوام کو حجت ہو جاوے گی کہ سب مذاہب حقہ ہیں جو چاہو سو اختیار کرلو اس فتنہ کا کچھ اندیشہ نہ کیا۔ اثر بادشاہ کا رعیت پر ضرور پڑتا ہے۔ عقلیں سب کی ماری گئیں ہیں اور کیا لکھوں الامعدود چند کہ وہ تو اصل حقیقت پر قائم رہے۔ اللہ ان کو ہمیشہ قائم رکھے۔ فقط ابوالحسین از بزودہ ۲۴ ذی قعدہ یوم جمعہ ۱۳۱۳ھ۔ (۱۸)

احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ ہر اعتبار سے بحسن و خوبی نبھانے کے باوجود حضرت نوری میاں اعتدال کا دامن کبھی نہیں چھوڑتے۔ اسی لیے قاضی غلام شبر صاحب لکھتے ہیں:

''حضور انور قدس سرہٗ خدام کے دینوی امور میں جب تک کوئی خاص تحریک اور ضرورت نہ ہوتی

مداخلت نہ فرماتے۔ کسی گروہ کا برائی سے تذکرہ نہ فرماتے۔ علمائے ظاہر کی طرح مناظرہ ومباحثہ نہ فرماتے۔

یہ اعتدال حضرت میاں صاحب کو موروثی ملا تھا۔ اعتدال خانقاہ کا ہمیشہ سے طرہ امتیاز رہا ہے۔ کیوں کہ سادات کرام کو جو بارگاہ الوہیت سے خاص فیضان ملا ہے اس کا مقابلہ دیگر اعلام زمانہ سے نہیں ہوسکتا۔ اہل اللہ کا اس پر اتفاق رہا ہے:

فیضان محبت عام تو ہے عرفان محبت عام نہیں
اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں

حوالے

(۱) ''سراج العوارف''، اردو مترجم سید محمد امین ڈاکٹر۔ غرمورخ۔ ناشر المجمع المصباحی مبارکپور، ص ۷)

(۲) نفس مصدر ص ۱۶۔۱۷

(۳) برکات مارہرہ مطہرہ۔ طفیل احمد صدیقی چشتی، مولانا، مطبع نول کشور لکھنؤ۔

(۴) ''سیرت مولانا سید محمد علی مونگیری''، از محمد الحسنی سید، بار دوم ۱۹۷۸ء ناشر مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ ص ۳۷

(۵) ''مسلمانانِ ہند کی حیاتِ سیاسی'' از محمد مرزا، غیر مورخ، ناشر کتب خانہ علم وادب اردو بازار دہلی، ص ۱۳

(۶) نفس مصدر ص ۱۳

(۷) ''غبار افق''۔ غلام بھیک نیرنگ سید۔ طبع ثانی ۱۹۳۱۔ ناشر جمعیت مرکز تبلیغ الاسلام انبالہ ص ۸

(۸) ''جہان رضا'' ماہ نامہ۔ لاہور، ماہ جنوری فروری ۱۹۹۶ء جلد ۶، ص ۵۰

(۹) ''حشورہ فی وجواہ اشیاع دار الندوہ''۔ غلام احمد بجواری، مولانا، اشاعت ۱۳۱۲ء مطبع ابو العلائی حیدر آباد، ص ۳

(۱۰) ''سراج العوارف''، ترجمہ سید محمد امین ڈاکٹر۔ ص ۲۵۔۲۶

(۱۱) نفس مصدر ص ۵۴۔۵۵

(۱۲) ''تذکرہ نوری''، قاضی غلام شبر برکاتی مولانا، مخطوطہ، ص ۱۱۱۔۱۱۰، مملوکہ

(۱۳) ''تذکرہ نوری''۔ ص ۱۱۲

(۱۴) ''تذکرہ نوری''، ص ۱۵۷

(۱۵) ''تذکرہ نوری'' ص ۱۵۷

(۱۶) ''تذکرہ نوری''، ص ۱۵۷

(۱۷) ''تذکرہ نوری''، ص ~~۱۶۰~~

(۱۸) ''مکتوبات علما و کلام اہل صفا'' مرتبہ سید محمد عبد الکریم۔ حافظ، ۱۳۱۴ھ مطبع اہل سنت، بریلی، ص ۳

(بشکریہ ''اہل سنت کی آواز'' خصوصی شمارہ قصیدہ نور کا، اکتوبر ۲۰۰۳ء)

معلّم و متعلّم اور علم کے اسلامی تصورات

(تعلیماتِ امام احمد رضا کی روشنی میں)

از: غلام مصطفیٰ رضوی (مالیگاؤں)

علم نور ہے، جہالت تاریکی ہے، علم سے ایمان ملتا ہے۔ ایمان بھی نور ہے اس لیے اسے پانے کے لیے نورِ علم چاہیے، اسی لیے علم' انبیاے کرام علیہم السلام کا ورثہ قرار دیا گیا۔ علم کے حصول کے لیے استاذ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں ادب و احترام بھی درکار ہے کہ علم وہی ہے جس سے ادب و احترام پیدا ہو۔

استاذ (معلّم) کی اہمیت کتابِ مبین سے آشکار ہے اَلرَّحْمٰنُ o عَلَّمَ الْقُرْآنَ o رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا" سرکارِ دو عالم ﷺ کا پڑھانے والا خود اللہ عزوجل ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے صحابہ اور صحابیات کی تربیت فرمائی، اسلام کے نظامِ دعوت و تبلیغ میں بھی علم کی کارفرمائی ہے۔ صحابۂ کرام نے عرب ہی نہیں بلکہ دنیا کے مختلف خطوں میں اسلام کی کامیاب تبلیغ فرمائی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کا اسلوبِ تعلیم و تربیت منفرد تھا، صحابۂ کرام میں جو معلّم تھے انھوں نے اسی اسلوب پر تربیت کے فرائض انجام دیے۔ صحابہ، رسول اللہ ﷺ سے علم سیکھتے، اور اس بارگاہ کے آداب بھی ملحوظ رکھتے۔ حدیث پاک میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے وہاں دو مجلسیں تھیں فرمایا کہ: دونوں مجلس اچھی ہیں اور ایک دوسری سے افضل ہے یہ لوگ اللہ سے دعا کرتے ہیں اور اُسکی طرف رغبت کرتے ہیں وہ چاہے تو اُن کو دے اور چاہے تو منع کردے اور یہ دوسری مجلس والے علم سیکھتے ہیں اور جاہل کو سکھاتے ہیں یہ افضل ہیں، میں معلّم بنا کر بھیجا گیا۔ اور اسی مجلس میں حضور بیٹھ گئے۔ (بہارِ شریعت، حصہ ۱۶، جلد ۳، ص ۲۲۷، بحوالہ دارمی)

یہاں سے درس و تدریس اور تعلیم کا تصور پھیلا۔ محدثین و فقہا اور علما و صوفیا کے اسالیبِ تعلیم اسی منہج پر منضبط دکھائی دیتے ہیں۔

حکمت اور علم میں باہم تعلق ہے، حکمت سے علم کا نکھار ہے، کامیابی کی کلید حکمت ہے، اس کا ضابطہ اس طرح ہے:

علم + حکمت = کامیابی

حکمت کے حوالے سے قرآن مقدس میں واضح تشریحات موجود ہیں۔ معلّم! حکمت سے احیاءِ علم کرتا ہے۔ اس کا ایک تصور حضور رحمتِ عالم ﷺ کی عظمت میں آیت وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيهِمْ ط سے ملتا ہے، حضور رحمتِ عالم ﷺ کو خالقِ کائنات عزوجل نے علم و حکمت سے نوازا، لہٰذا تعلیم و

تعلم کے منہج و اسلوب کا منبع رسالت مآب ﷺ کی بارگاہ ہے، علم و حکمت کے تمام گوشے وہیں سے فیضیاب ہوئے ہیں۔ محمد عبداللہ صالح لکھتے ہیں: ''تعمیر شخصیت کے لیے چوتھا زریں اصول تعلیم حکمت ہے تا کہ اشیاء کی حقیقت اور ان کے اسرار کی معرفت حاصل کی جائے۔ حقائق کا کھوج لگایا جائے اور عقل و بصیرت پر مبنی دلائل و براہین کی روشنی میں (Practical Wisdom) حاصل کی جائے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ رسالت مآب ﷺ کے ارشاداتِ گرامی حکمت و بصیرت کے ان بیش قیمت اور انمول موتیوں پر مشتمل ہیں جن سے زندگی کے نئے افق اور نئی راہوں کا سراغ ملتا ہے اور انسان میں جذبۂ عمل ابھرتا ہے''۔ امام احمد رضا محدث بریلوی کی تعلیمات بھی اسی بارگاہِ اقدس کے زریں اصولوں کی ترجمانی کرتی ہیں۔ لہٰذا اس دور میں متفرق افکار کے مابین ترسیلِ حق اور علم کی کماحقہٗ تحصیل کے لیے ان کی تعلیمات پر عمل ضروری ہے۔ اس مقالے میں اپنے موضوع کے پیش نظر امام احمد رضا محدث بریلوی کے بعض نظریات جو متعلقاتِ علم سے ہیں، پر گفتگو کریں گے۔

علم کی وضاحت: علم کی فرضیت حضور رحمتِ عالم ﷺ کے فرمان سے ظاہر ہے، مگر یہاں یہ سوال اہم ہے کہ علم سے مراد کون سا علم ہے جس کا حصول فرض ہے، اس کی وضاحت خلیفۂ امام احمد رضا، علامہ محمد امجد علی اعظمی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''ہماری مراد اس علم سے وہ علم نہیں جو فلاسفہ سے حاصل ہوا ہو اور جس کو انسانی دماغ نے اختراع کیا ہو یا جس علم سے دنیا کی تحصیل مقصود ہو۔ ایسے علم کی قرآن مجید نے مذمت کی بلکہ وہ علم مراد ہے جو قرآن و حدیث سے حاصل ہو کہ یہی علم وہ ہے جس سے دنیا و آخرت دونوں سنورتی ہیں اور یہی عمل ذریعۂ نجات اور اسی کی قرآن و حدیث میں تعریفیں آئی ہیں اور اسی کی تعلیم کی طرف توجہ دلائی گئی ہے''

طلبِ علم کا مقصد: علوم و فنون کی راہ میں کامیابی پانے کے لیے نیک نیتی درکار ہوتی ہے۔ شاگرد کی نیت نیک ہو تو یہ خیر ہے، اور اس سے مقصدِ علم کا تعین ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت خلیفۂ امام احمد رضا علامہ محمد امجد علی اعظمی فرماتے ہیں:

''طلب علم اگر اچھی نیت سے ہو تو ہر عملِ خیر سے یہ بہتر ہے کیونکہ اس کا نفع سب سے زیادہ ہے مگر یہ ضرور ہے کہ فرائض کی انجام دہی میں خلل و نقصان نہ ہو۔ اچھی نیت کا یہ مطلب ہے کہ رضائے الٰہی اور آخرت کے لیے علم سیکھے طلب دنیا و طلب جاہ نہ ہو اور طالب کا اگر مقصد یہ ہو کہ میں اپنے سے جہالت کو دور کروں اور مخلوق کو نفع پہنچاؤں یا پڑھنے سے مقصود علم کا احیا ہے۔ مثلاً لوگوں نے پڑھنا چھوڑ دیا ہے میں بھی نہ پڑھوں تو علم مٹ جائے گا یہ نیتیں بھی اچھی ہیں اور اگر صحیح نیت پر قادر نہ ہو جب بھی نہ پڑھنے

سے پڑھنا اچھا ہے۔"

اسلامی علوم وفنون کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ اس سے پھوٹنے والی دانش نے یورپ وافریقہ، ہند و سندھ اور دور افتادہ زمینوں تک علوم وفنون اور حکمت وتدبر کی سوغات بانٹی، متلاشیانِ علم کو تحقیقی بصیرت اور وسعتِ فکر عطا کی، جہاں بانی کا شعور دیا، نظامِ حکومت وامارت، سیاست وحزارعت، فنونِ تعمیر ونظامِ تعلیم کے ضوابط عطا کیے۔ اسلام کی آفاقی فکر جب تک مسلمانوں کی دانش سے جڑی رہی، جاہ وتخت زیر پا رہے، ہر زمرۂ علم وتحقیق میں کامیاب وکامراں رہے۔ اغیار کے نظریات وتہذیب اور ان کے اثرات جب سے ذہنوں پر مرتسم ہوئے ہیں۔ تعلیمی ومعاشی، اخلاقی ومعاشرتی زوال شروع ہوا ہے۔ اس ضمن میں تعلیمی بیداری کی شدید ضرورت ہے۔ جس کے لیے نصاب کی تدوین اسلامی فکر کے پیشِ نظر ہونا از حد ضروری ہے۔ یہاں پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی یہ رائے برمحل ہوگی:

"اس وقت عالمِ اسلام کے مدارس وجامعات کا نصاب جس حد تک ممکن ہو یکساں رکھا جائے تاکہ عالمی سطح پر طلبہ کے فکر وخیال میں مرکزیت پیدا ہو اور اتحاد کی راہ ہموار ہو۔"

مرکزیت اور وسعتِ فکر کے پیشِ نظر جامعات کے ضوابط اسلامی تعلیمات کی روشنی میں طے کیے جائیں۔ اسلام نے جہاں علم کو سرفہرست رکھا ہے وہیں اس کے ضابطے بھی متعین کیے ہیں۔ جس میں معلّم و متعلّم کی ذمہ داریاں واضح کی ہیں۔ لہٰذا اسلامی خدوخال اور ضوابط کے مطابق اگر ترویجِ علم کی جائے اور اساتذہ وطلبہ اپنے حقوق نبھائیں تو ایک صالح معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔ مگر اس کے لیے نصاب مرکزی حیثیت رکھتا ہے اس کا خاکہ کچھ یوں ہے:

نصاب
ا

معلّم ب ــــ ج متعلّم

عظیم اللہ جندران بحوالہ غلام احمد لکھتے ہیں:

"نصاب طلبہ کے نفسیاتی تقاضوں کے مطابق ہو اور اس کی تدریس کا اہتمام کلی طور پر دین دار اساتذہ کے ہاتھوں تکمیل پائے" اس حوالے سے علومِ دینیہ کی ترویج واشاعت میں وسعت پیدا ہوگی۔

عالمی سطح پر مسلمانوں کی پسماندگی دور کرنے اور تعلیم وتعلّم سے ٹوٹے ہوئے سلسلے کی استواری کے لیے امام احمد رضا کے پیغام ونظریات کا ابلاغ از حد ضروری ہے۔ برطانوی دانشور نومسلم ڈاکٹر محمد ہارون فرماتے ہیں:

"حضرت امام احمد رضا بریلوی اس علمی روایت کے لیے سامنے آئے جو مغرب میں اپنی موت مر

چکی ہے۔ ان کا مقصد علم کو ممکنہ حد تک وسیع کرنا تھا۔ ایسا علم جس کا محور اسلامی فنون سے پھوٹنے والی دانش و حکمت تھی۔ ایسا علم جس کا ایک ہزار سالہ قدیم روایت سے گہرا رابطہ تھا۔"

شاگرد پر استاد و معلّم کے حقوق :- اخلاقی لحاظ سے استاد و شاگرد پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اس کی وضاحت سلیم اللہ جندران نے اس طرح کی ہے:

"امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: "عالم کا جاہل اور استاد کا شاگرد پر ایک ایسا حق ہے برابر اور وہ یہ کہ

(۱) اس سے پہلے بات نہ کرے۔

(۲) اس کے بیٹھنے کی جگہ اس کی غیبت میں بھی نہ بیٹھے۔

(۳) چلنے میں اس سے آگے نہ بڑھے۔

(۴) آدمی کو چاہیے کہ اپنے استاد کے حقوق واجب کا خیال رکھے۔

(۵) اپنے مال میں کسی چیز سے اس کے ساتھ بخل نہ کرے یعنی جو کچھ اسے درکار ہو خاطر حاضری اور اس کے قبول کر لینے میں اس کا احسان اور اپنی سعادت جانے۔

(۶) استاد کے حق کو اپنے ماں باپ اور تمام مسلمان کے حق سے مقدم رکھے۔

(۷) جس نے اچھا علم سکھایا اگرچہ ایک ہی حرف پڑھایا ہو اس کے لیے تواضع کرے اور لائق نہیں کہ کسی وقت اس کی مدد سے باز رہے۔

(۸) اپنے استاد پر کسی کو ترجیح نہ دے اگر ایسا کرے گا تو اس نے اسلام کے رشتوں سے ایک رسی کھول دی۔

(۹) عالم دین ہر مسلمان کے حق میں عموماً استادِ علم دین اپنے شاگرد کے حق میں خصوصاً نائب حضور پرنور سید عالم ﷺ ہے۔ ہاں اگر وہ کسی خلاف شرع بات کا حکم کرے ہرگز نہ مانے کہ لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالیٰ مگر اس نہ ماننے میں گستاخی و بے ادبی سے پیش نہ آئے"

بوقت درس معلم کی ذمہ داریوں اور حق اولاد کی بابت امام احمد رضا محدث بریلوی کے حوالے سے سلیم اللہ جندران فرماتے ہیں:

(۱) پڑھانے سکھانے میں مہربانی و نرمی ملحوظ رکھے۔

(۲) موقع کے مطابق سرزنش اور تنبیہ کرے مگر برا بھلا نہ کہے کہ کوسنا ان کے لیے سبب اصلاح نہ ہوگا بلکہ اور زیادہ فساد کا اندیشہ ہے۔

(۳) مارے تو منہ پر نہ مارے، سرزنش اور ڈرانے پر قانع رہے۔

(۴) زمانہ تعلیم میں ایک وقت کھیلنے کا بھی دے تا کہ طبیعت میں نشاط باقی رہے۔

(۵) بری صحبت میں ہر گز نہ بیٹھنے دے کہ یار بد، مار بد سے بدتر ہے۔

(۶) کتب عشقیہ وغزلیات فسقیہ ہر گز نہ دیکھنے دے کہ نرم لکڑی جدھر جھکائیں جھک جاتی ہے۔

اُستاد کی ضرورت: محدث بریلوی فرماتے ہیں:

''علم الفتویٰ پڑھنے سے نہیں آتا جب تک مدتہا کسی طبیب حاذق کا مطب نہ کیا ہو مفتیانِ کامل کے بعض صحبت یافتہ کہ ظاہری درس و تدریس میں پورے نہ تھے مگر خدمت علما کرام میں اکثر حاضر رہتے اور تحقیق مسائل کا شغل اُن کا وظیفہ تھا فقیر نے دیکھا کہ وہ مسائل میں آج کل کے صدہا فارغ التحصیلوں سے بلکہ مدرسوں، نام کے مفتیوں سے بدرجہا زائد تھے''

اُستاد کا انکار: محدث بریلوی فرماتے ہیں:

''استاد کا انکار کفران نعمت ہے اور کفرانِ نعمت موجب سزا وعقوبت''

استاد کی تعظیم: امام احمد رضا محدث بریلوی فرماتے ہیں:

''اُستاد کی تعظیم سے ہے کہ وہ اندر ہو اور یہ حاضر ہو تو اس کے دروازے پر ہاتھ نہ مارے بلکہ اُن کے باہر آنے کا انتظار کرے۔ اگر استاد کسی خلاف شرع بات کا حکم کرے ہر گز نہ مانے مگر اس نہ ماننے میں گستاخی و بے ادبی سے نہ پیش آئے بکمال عاجزی وزاری معذرت کرے''۔

ایک سوال کے جواب میں کہ نماز کے وقت مسجد میں نمازی کسی شخص کی تعظیم میں کھڑے ہو سکتے ہیں؟ امام احمد رضا فرماتے ہیں: ''عالم دین اور سلطان الاسلام اور علم دین میں اپنا استاد۔ اُن کی تعظیم مسجد میں بھی کی جائے گی۔''

معلّم شاگرد سے کام لے سکتا ھے؟: امام احمد رضا محدث بریلوی سے پوچھا گیا: ''معلّم کی اگر تنخواہ مقررہ نہ ہو تو بچوں سے کام لے سکتا ہے یا نہیں؟'' تو ارشاد فرمایا: اگر والدین کو ناگوار نہ ہو اور بچہ کو تکلیف نہ ہو تو حرج نہیں تنخواہ مقرر ہو یا نہ ہو۔

تعلیم و تربیت کے لیے والدین کی ذمہ داریاں: اس بابت سلیم اللہ جندران تحریر فرماتے ہیں:

''مدرسہ میں استاد کی شخصیت، گھر میں ماں باپ کی طرح بچوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ امام احمد رضا خان ۵ تا ۶ سال کی عمر کے بچوں کے اسکول مدرسہ ایجوکیشن کے آغاز پر والدین پر یہ ذمہ داری عائد کرتے ہیں کہ والد ''بچے کو نیک،

صالح، متقی، صحیح العقیدہ اور عمر رسیدہ استاد کے سپرد کرے اور بیٹی کو نیک، پارسا عورت سے پڑھوائے"، اگرچہ آج کل کے حالات میں بچوں کے لیے نیک، متقی، صحیح العقیدہ اور عمر رسیدہ (کہنہ مشق رتجربہ کار) اُستاد کا مل جانا نعمتِ عظمیٰ سے کم نہیں ہے اور عام حالات میں نہایت کٹھن کام ہے، بچوں کی تعلیم کے ضمن میں والدین اگر اس قدر دلچسپی لیں تو ان کے بچوں کی یقیناً بہتر شخصیت کی تعمیر ممکن ہے۔"

معلّم کی ذمہ داریاں: حدیث شریف میں ہے: اچھا شخص وہ عالم دین ہے کہ اگر اس کی طرف احتیاج لائی جائے تو نفع پہنچاتا ہے" (بہارِ شریعت، حصہ ۱۶، جلد ۳، ص ۲۲۸)

معلّم کی ذمہ داری ہے کہ وہ علم کی حفاظت کرے اور اسے انہیں میں بانٹے جو اس کے اہل ہوں یعنی جو جو علم کے قدر داں ہوں، بے قدروں کو علم دینا اپنے علم کو ضائع اور برباد کرنا ہے اور علم کا بھول جانا بھی موجب تباہی ہے۔ حضور سرور کائنات ﷺ کا ارشاد ہے۔ علم کی آفت نسیان ہے اور نا اہل سے علم کی بات کہنا علم کو ضائع کرنا ہے۔

(بہارِ شریعت، حصہ ۱۶، جلد ۳، ص ۲۲۹ بحوالہ دارمی)

استاذ سخی ہو۔ وہ علم کو چھپائے نہیں بلکہ اسے عام کرے کہ یہ وہ متاع ہے جو خرچ کرنے سے گھٹتی نہیں، اور یہ علم کا حق ہے کہ اسے عام کیا جائے۔ حضور سرور کائنات ﷺ کا ارشاد ہے۔ جس سے علم کی کوئی بات پوچھی گئی اور اُس نے نہیں بتائی اُس کے منہ میں قیامت کے دن آگ کی لگام لگادی جائے گی۔ (ایضاً بحوالہ احمد، ابو داؤد، ترمذی)

شاگرد کی ذمہ داریاں: اُستاذ کی تعظیم سے ہی علم کام دیتا ہے، بلکہ جس قدر استاذ کے احترام کا معاملہ ہوگا علم کی تحصیل میں ارزانی ہوگی۔ اگر اُستاذ موجود نہ ہو تو شاگرد کو چاہیے کہ اس کی نشست گاہ پر نہ بیٹھے۔ یوں ہی استاذ کی موجودگی میں جس طرح ادب کا مظاہرہ کرے اسی طرح استاذ کی عدم موجودگی میں بھی مؤدب رہے۔ علم اور عمل دونوں کا یکجا ہونا ضروری ہے۔ یہ نہ ہو کہ استاذ کی غیر موجودگی میں عمل سے کوتاہی برتے بلکہ ہر جا عمل کا مظاہرہ کیا جائے۔

اطلاقات: خلیفۂ امام احمد رضا، علامہ محمد امجد علی اعظمی کے مطابق ان عوامل پر معلّم و متعلّم کو کاربند ہونا چاہیے:

"چاہیے کہ عیش پسندی میں نہ پڑے کھانے پینے رہنے سہنے میں معمولی حالت اختیار کرے، عورتوں کی طرف زیادہ توجہ نہ رکھے مگر یہ بھی نہ ہو کہ اتنی کمی کردے کہ تقلیل غذا اور کم خوابی میں اپنی جسمانی حالت خراب کردے اور اپنے کو کمزور کردے کہ خود اپنے نفس کا بھی حق ہے اور بی بی بچوں کا بھی حق ہے سب کا

حق پورا کرنا چاہیے۔ عالم و متعلم کو یہ بھی چاہیے کہ لوگوں سے میل جول کم رکھیں اور فضول باتوں میں نہ پڑیں اور پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ جاری رکھیں۔ دینی مسائل میں مذاکرہ کرتے رہیں کتب بینی کرتے رہیں کسی سے جھگڑا ہو جائے تو نرمی اور انصاف سے کام لیں جاہل اور اس میں اس وقت بھی فرق ہونا چاہیے"

سزا کا تصور: سلیم اللہ جندران اپنے ایک مقالے میں امام احمد رضا کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ:

"(اُستاذ) مارے تو منہ پر نہ مارے، سرزنش اور ڈرانے پر قانع رہے۔"

اُستاذ، شاگرد کی پڑھائی سے غفلت اور غلطی پر سزا دینے کا مجاز ہے۔ مولانا محمد امجد علی اعظمی رضوی لکھتے ہیں: "اساتذہ بھی بچوں کو نہ پڑھنے یا شرارت کرنے پر سزائیں دے سکتے ہیں مگر وہ کلیہ ان کے پیش نظر بھی ہونا چاہیے کہ اپنا بچہ ہوتا تو اسے بھی اتنی ہی سزا دیتے۔ بلکہ بظاہر تو یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے بچہ کی تربیت و تعلیم کا جتنا خیال ہوتا ہے دوسرے کو اتنا خیال نہیں ہوتا تو اگر اس کام پر اپنے بچہ کو نہ مارا یا کم مارا اور دوسرے بچہ کو زیادہ مارا تو معلوم ہوا کہ یہ مارنا محض غصہ اتارنے کے لیے ہے سدھارنا مقصود نہیں۔" یعنی استاذ منصفانہ رویہ اپنائے اور متعلم کی اصلاح کے لیے سزا بھی دے سکتا ہے کہ اس سے اصلاح مقصود ہے۔

سلیم اللہ جندران اس تعلق سے لکھتے ہیں: "یاد رہے اگر سزائیں تعمیری اور اصلاحی انداز میں احتیاطی تدابیر کے تحت نہ دی جائیں تو ان سے بچے کی شخصیت پر بہت سے مضر اثرات مرتب ہونے کا بھی خطرہ ہوتا ہے"

سلیم اللہ جندران "تصورِ سزا اسلامی مفکرینِ تعلیم کی نگاہ میں" (The Islamic Educational thinker Views about the Punishment) عنوان کے تحت امام احمد رضا محدث بریلوی کے نظریات تحریر کرتے ہیں:

"امام احمد رضا خان بریلوی (۱۳۱۰ھ) "فتاویٰ رضویہ" جلد دہم، باب دہم "علم التعلیم" اور عالم و معلم" میں استاد کے لیے یہ ضابطۂ اخلاق دیتے ہیں:-

"(استاد) پڑھانے سکھانے میں رفق نرمی ملحوظ رکھے موقع پر چشم نمائی، تنبیہ تہدید کرے مگر کوسنا نہ دے کہ اس کا کوسنا ان کے لیے سبب اصلاح نہ ہوگا بلکہ زیادہ فساد کا اندیشہ ہے۔ مارے تو منہ پر نہ مارے اکثر اوقات تہدید و تخویف پر قانع رہے۔ کوڑا چھی اس کے پیش نظر رکھے کہ دل میں رعب رہے۔"

امام احمد رضا خان تدریس میں نرمی اور حکمت کے ذریعے ضبط قائم کرنے پر زور دیتے ہیں۔"

امام احمد رضا محدث بریلوی کی تعلیمات کے مطابق استاذ و شاگرد اپنی ذمہ داریاں سمجھیں تو تعمیرِ شخصیت اور تربیتی پہلو تشنہ نہیں رہے گا اور ایسے افراد تیار ہوں گے جن میں انسانیت کے سارے جوہر پنہاں ہوں، اسلاف و اکابرین کے تربیتی ماڈل اور ذرائع علم نیز ان کے تجویز کردہ نصاب کو بروئے کار

لاکر مفید نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ اسلامی علوم کے موثر ابلاغ کے ذریعے دنیا میں علمی و عملی بہاریں رائج کر سکتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ تعلیمی اداروں کے نصاب کی تدوین میں امام احمد رضا کی تجاویز اور درس و تدریس میں اُن کے نظریات پیش نظر رکھے جائیں کہ بیسویں صدی میں ان کے جیسا ماہر علم و فن نہیں گزرا، علمی باریکیاں وہی سمجھتے تھے، ان کے نظریات مسلمانوں کے تعلیمی عروج کے ضامن ہیں

کتابیات

(۱) محمد امجد علی اعظمی، علامہ، بہار شریعت، حصہ ۱۶، جلد ۳، مطبوعہ دہلی

(۲) صالح، محمد عبداللہ، تعمیر شخصیت و فلاح انسانیت، مشمولہ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، اکتوبر ۱۹۹۷ء

(۳) محمد مسعود احمد، پروفیسر، پیغامِ مسعود، مطبوعہ نوری مشن مالیگاؤں

(۴) سالنامہ یادگار رضا ۲۰۰۴ء مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی

(۵) جندران، سلیم اللہ، امام احمد رضا خاں کے نظریۂ تعلیم کی چیدہ چیدہ خصوصیات، مشمولہ سہ ماہی افکار رضا بمبئی، جنوری تا جون ۲۰۰۲ء

(۶) جندران، سلیم اللہ، تعمیر شخصیت اور تربیت اولاد کا اسلامی نفسیاتی ماڈل، مشمولہ سالنامہ معارف رضا ۲۰۰۳ء کراچی

(۷) احمد رضا بریلوی، امام، احکامِ شریعت، مطبوعہ دہلی، حصہ دوم

(۸) جندران، سلیم اللہ، تصورِ سزا کا تنقیدی جائزہ، مشمولہ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، نومبر ۲۰۰۰ء
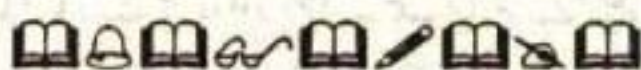
اہل سنت و جماعت کو چاہیے کہ حالات کے ساتھ چلنے کی بجائے حالات کو اپنے مطابق بنانے کے لیے جدوجہد کریں، غفلت شعاری کا یہ رویہ انتہائی خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ اپنے اکابر کی خدمات کے تذکروں اور ان کے تعارف کے لیے اگر ہم نے مخلصانہ کوششیں نہ کیں اور وقت کے اس تقاضے پر لبیک نہ کہی تو یہ ہماری نااہلی اور ناخلفی ہوگی۔ اور اکابرین اور اسلاف کی روحوں کے ساتھ بہت بڑی زیادتی! کاش کہ آج بھی ہماری آنکھیں کھل جائیں اور بہتر طریقے سے آغاز کار کردیں۔ اور جنھوں نے پہلے سے اس کام کا بیڑہ اُٹھایا ہوا ہے اور اپنی محدود توانائیوں اور محدود وسائل کے ساتھ یہ سلسلہ شروع کر رکھا ہے ان کے ساتھ دل و جان سے تعاون کریں اور ان کے دست و بازو بنیں۔ اپنے اکابرین کو خراج عقیدت پیش کرنے کا ہمارا یہی سب سے بہتر طریقہ ہوسکتا ہے۔

("محدّث اعظم ہند کچھوچھوی اور تحریک پاکستان" از: محمد اعظم نورانی)

''دعوتِ میت'' اور امامِ اہلسنّت

از: محمد علی رضا برکاتی، ممبئی
bd_7271@yahoo.com

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین، فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم.

تقریباً بارہ سال ہوئے کہ طالب دعا کے نانا کا انتقال ہوا۔ ہم لوگ بھی سوگواران میں شامل تھے۔ تیجہ کے لیے ''حسب دستور'' دیگ چڑھی ہوئی تھی۔ ہمارے دو قریبی رشتہ داروں میں بحث چل رہی تھی کہ ''یہ کھانا وغیرہ کرنا ٹھیک نہیں ہے، پیسہ ہو نہ ہو یہ دیگیں چڑھا کر پکانا غلط ہے'' طالب دعا اس وقت دینی ماحول سے نیا نیا ہی جڑا تھا۔ فوراً میدان میں کود پڑا اور لایعنی اور جہالت بھری دلائل دے کر انہیں خاموش کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ خیر وہ تو نہ مانے لیکن طالب دعا اپنی بات پر اڑا ہی رہا کہ ایسی دعوت کرنا جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے۔ خیر وہ وقت گذر گیا...... علم کی جستجو جاری رہی، سرکار سیدنا اعلیٰحضرت کے رسائل تک بھی رسائی ہونی شروع ہوئی، اعلیٰحضرت نے کرم فرمایا اور رسالہ ''جلی الصوت لنھی الدعوۃ امام الموت'' کا مطالعہ کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا اور پھر اپنی جہالت کا علم ہوا اور حقیقت سامنے آئی کہ ہمارے اعلیٰحضرت ہم سے کیا فرما رہے ہیں، اور ہم اب تک کیا کرتے چلے آرہے ہیں، سُنیت ہم سے کیا چاہ رہی ہے اور ہم سُنیت کے نام پر ہی کیا کر رہے ہیں۔ بہت افسوس ہوا اور سوچا کہ اب تک جس غلطی پر ہم رہے ہیں اس غلطی سے اوروں کو بھی بچانا چاہیے۔ اس کے بعد جہاں جہاں موقع ملا سرکار اعلیٰ حضرت کی تعلیم کو عام کرنے کی کوشش شروع کردی۔ کچھ سالوں بعد سہ ماہی ''افکار رضا'' میں مضامین شائع ہوئے اور اس موضوع پر لکھنے کا خیال ذہن میں آیا۔ رسالہ کو سامنے رکھ کر خاکہ ترتیب دے ہی رہا تھا کہ اللہ عزوجل نے ایسا امتحان لیا کہ سارے ارادے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ طالب دعا کا جواں سال، چھوٹا بھائی محمد شاہد تیس سال کی کم عمری میں دو کم سن بچوں کو چھوڑ کر موٹر سائیکل کے جان لیوا حادثہ میں اس عالم سے رخصت ہوا۔ اور حسب حدیثِ مبارکہ شہادت کے مرتبے کو پہنچا۔ (قارئین سے التجا ہے کہ مرحوم اور اس کے لواحقین کو اپنی دعاؤں میں ضرور یاد فرمائیں۔)

سارے کام جہاں تھے وہیں رک گئے۔ پھر اس بھائی کے لیے بھی وہی کچھ ہونے لگا۔ لاکھ منع کیا لیکن کوئی نہ مانا اور اسی طرح کی دعوتیں ہوئیں، چالیسواں، برسی سب کچھ وہی۔ تڑپ کر رہ گیا اور تہیہ کر لیا کہ اب تو ضرور لکھوں گا۔ لیکن سستی آڑے آتی رہی۔ پھر کچھ روز پہلے ہی دادی بھی رخصت ہوئیں اور

یہاں بھی وہی سب۔ خود تو شریک نہ ہوا لیکن اوروں کو نہ روک سکا۔ ادھر محترم زبیر بھائی کی طرف سے لگاتار ارشاد ہوتا رہا کہ کچھ لکھوں۔ دل بھی پہلے سے ہی آمادہ تھا بس عزمِ مصمم کرلیا، اور لکھنے کی غرض سے اب جو رسالہ کی جستجو کر رہا ہوں تو رسالہ ندارد، نہ ذاتی کتب میں، نہ "تحریک فکرِ رضا" کے خزانے میں، نہ ہی مارکیٹ میں، نہ ہی "رضا اکیڈمی" کی دفتر میں۔ بڑی پریشانی ہوئی۔ تبھی تحریک فکر رضا کے رکن امجد بھائی نے "امام احمد رضا اور ردّ بدعات ومنکرات" دے کر اس سے مدد لینے کا مشورہ دیا۔ اس میں دیکھا تو جابجا "فتاوی رضویہ جلد چہارم" کے حوالہ جات موجود تھے۔ اب ساری بات کھل گئی کہ رسالہ کیوں نہیں مل رہا تھا، یقیناً یہ میرے سرکار اعلیحضرت کی کرامت ہی تھی، سرکار نہیں چاہ رہے تھے کہ میں صرف رسالہ کو سامنے رکھ کر لکھوں، بلکہ حضور کی مرضی یہی تھی کہ میں خزینہ ومنبع علم سے فیض حاصل کروں، طالب دعا نے یہی کیا "فتاویٰ رضویہ جلد چہارم" کے متعلقہ باب کا مطالعہ شروع کیا۔ اب تو ذہن اور بھی شش وپنج میں مبتلا ہوگیا، سرکار اعلیحضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہر فتویٰ میں اجتناب و احتراز کا حکم دیا۔ لیکن صرف ایک فتویٰ میں کچھ بدلا ہوا رنگ نظر آیا۔ میں ناقص العقل کیا سمجھ پاتا، فوراً اپنے کرم فرما صاحب علم وفن، استاذو مولائے من حضور مفتی اشرف رضا صاحب قبلہ دامت برکاتہ العالی کی بارگاہ میں عرض گذار ہوا، حضرت نے حسب معمول کرم فرمائی کی اور رہنمائی فرمائی۔ سونے پہ سہاگہ یہ کہ حضور اعلیٰ جناب مفتی محمود اختر صاحب قبلہ دامت برکاتہ العالیہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا، آپ نے بھی نظر عنایت سے نوازا اور ہمت افزائی بھی فرمائی۔ ساتھ ہی "فتاویٰ امجدیہ" اور "فتاویٰ مصطفویہ" سے مدد لینے کا قیمتی مشورہ بھی عنایت فرمایا۔ حسب ارشاد طالب دعا نے ان کتابوں سے بھی استفادہ کی کوشش کی ہے، اور ساتھ ہی "فتاویٰ فیض الرسول" کو بھی سامنے رکھا ہے۔

جب سرکاروں کا کرم ساتھ تھا بس پھر کیا تھا۔ ہمت کی اور کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ گیا ہوں، انگلیاں کی بورڈ پر تیزی سے حرکت کر رہی ہیں۔ نتیجہ کیا نکلتا ہے، اور میں اپنی بات قارئین تک پہنچانے میں کامیاب ہو پاتا ہوں یا نہیں اس کا اندازہ تو آپ حضرات کی قیمتی نوازشات سے ہی ہوگا۔ اب اس طویل تمہید کو ختم کر کے اپنے اصل موضوع کی طرف آتا ہوں، دعا فرمائیں کہ مولیٰ عزوجل اس کوشش میں کامیابی عطا فرمائے اور ہم سب کو اپنے امام کی صحیح پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ طالب دعا نے ایصالِ ثواب کے جائز ہونے نہ ہونے پر کوئی بحث نہیں کی ہے کیونکہ اس وقت یہ ہمارا موضوع نہیں۔ الحمدللہ ہمارے علمائے کرام نے پہلے ہی اپنی مقدس تحریرات سے ایصال ثواب کے جائز ہونے کا کافی ووافی ثبوت ہمیں عنایت فرما دیا ہے۔ اس لیے اس چھوٹے سے مضمون میں اس بحث کو دانستہ شامل نہیں کیا گیا ہے۔)

خلاصۂ رسالہ :- رسالہ ''جلی الصوت'' کی تحریر کا سبب ایک استفتاء تھا جو سرکار اعلیٰحضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ یہ استفتاء فتاویٰ رضویہ شریف جلد چہارم، صفحہ ۱۳۸، باب الجنائز، میں موجود ہے۔ (مطبوعہ رضا اکیڈمی) ہم یہاں اس استفتاء کو من وعن نقل کر رہے ہے۔

مسئلہ ۱۲۰ : کیا فرماتے ہیں علمایے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر بلاد ہندیہ میں رسم ہے کہ میت کے روز وفات سے اوس کے اعزہ و اقارب و احباب کی عورات اوس کے یہاں جمع ہوتی ہیں۔ اوس اہتمام کے ساتھ جو شادیوں میں کیا جاتا ہے پھر کچھ دوسرے دن اکثر تیسرے دن واپس آتی ہیں۔ بعض چالیسویں تک بیٹھتی ہیں۔ اس مدت اقامت میں عورات کے کھانے پینے، پان چھالیا کا اہتمام اہل میت کرتے ہیں۔ جس کے باعث ایک صَرف کثیر کے زیر بار ہوتے ہیں۔ اگر اوس وقت اون کا ہاتھ خالی ہو تو اس ضرورت سے قرض لیتے ہیں۔ یوں نہ ملے تو سودی نکلواتے ہیں اگر نہ کریں تو مطعون و بدنام ہوتے ہیں۔ یہ شرعاً جائز ہے یا کیا۔ بینوا توجروا۔''

یہاں پر سائل نے صرف عورتوں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن میرے سرکار نے جو جواب عنایت فرمایا ہے وہ مرد وزن سب کے لیے ہے۔ ہاں عورتوں کے جمع ہونے پر جو خرابی واقع ہو سکتی ہے اس کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ تفصیلی جواب کی زیارت سے مشرف ہونے کے لیے رسالہ یا فتاویٰ رضویہ شریف کا مطالعہ فرمائیں یہاں پر ہم صرف کچھ حصہ ہی نقل کریں گے۔

بمبئی کے حالات :- سائل نے سوال میں جو صورت بیان کی ہے، ہو سکتا ہے کہ ان کے یہاں اس طرح کی رسم ہوتی ہو، بمبئی کے حالات اس سے کچھ مختلف ہیں۔ ہمارے یہاں جو ہم نے دیکھا ہے وہ اس طرح ہے کہ، تین دن تک میت کے گھر کھانا نہیں بنایا جاتا (حالانکہ شریعت نے اس سے منع نہیں فرمایا ہے)۔ ان تین دنوں میں پڑوسی یا رشتہ دار نہ صرف میت کے گھر والوں کے لیے بلکہ جتنے حاضرین شامل ہوتے ہیں ان سب کے لیے کھانا وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں۔ پڑوسیوں کو تو اس میں خاص طور پر شامل کیا جاتا ہے۔ اسی کو ''بھاتی'' کہتے ہیں۔ باقی تو ساری باتیں ویسی ہی ہیں جیسی سوال میں مذکور ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ سوال میں کھانا وغیرہ کا انتظام کرنے کے لیے اہل میت کا ذکر کیا گیا ہے۔ کیا یہ کھانا سب کے لیے جائز ہے؟ اور اہل میت کے لیے کتنے وقت کا کھانا بھیجنا سنت ہے؟ آیئے سرکار اعلیٰحضرت رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے مبارک جواب کو ملاحظہ فرمائیں۔

ارشادات اعلیٰحضرت :- سائل نے آخر سوال میں عرض کی تھی کہ ''یہ شرعاً جائز ہے یا کیا'' اس پر امام اہلسنت اپنے فتویٰ کے پہلے جملے میں ہی کچھ یوں فرماتے ہیں۔۔۔

''سبحان اللہ اے مسلمان یہ پوچھتا ہے جائز ہے یا کیا۔ یوں پوچھ کہ یہ ناپاک رسم کتنے قبیح اور شدید گناہوں سخت و شنیع خرابیوں پر مشتمل ہے۔'' دیکھا آپ نے کیا فرما رہے ہیں ہمارے امام۔ ذہن و

دل کو کشادہ کر کے آگے پڑھیے اور دیکھیے کہ وہ خرابیاں کیا ہیں جن کا ذکر ہمارے اعلیحضرت نے کیا ہے۔

آپ نے چار وجوہات بیان فرمائی ہیں۔ جن سے اس فعل کی قباحت ثابت ہوتی ہے۔

وجۂ اوّل:- ''اول یہ کہ یہ دعوت خود ناجائز و بدعت شنیعہ قبیحہ ہے۔''

یہاں آپ نے پہلے مسند امام احمد اور سنن ابن ماجہ شریف سے حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ صحیح حدیث شریف نقل فرمائی ہے (ہم تمامی عبارات کے صرف تراجم نقل کریں گے تاکہ طوالت نہ ہو۔ اصل عبارات کے لیے فتاویٰ رضویہ شریف کا مطالعہ فرمائیں)۔

''ہم گروہ صحابہ اہل میت کے یہاں جمع ہونے اور اون کے کھانا تیار کرانے کو مردے کی نیاحت سے شمار کرتے تھے۔''

'نیاحت'' سے مراد ''نوحہ'' ہے، اور نوحہ حرام ہے جیسا کہ خود امام اہلسنت آگے فرماتے ہیں ''جس کی حرمت پر متواتر حدیثیں ناطق۔''

اس کے بعد آپ نے (۱) فتح القدیر (۲) مراقی الفلاح (۳) فتاویٰ خلاصہ (۴) فتاویٰ سراجیہ (۵) فتاویٰ ظہیریہ (۶) فتاویٰ تاتارخانیہ (۷) خزانۃ المفتیین (۸) فتاویٰ ہندیہ (۹) فتاویٰ امام قاضی خاں (۱۰) تبیین الحقائق (۱۱) وجیز (۱۲، ۱۳) ردالمحتار مع حوالہ معراج الدرایہ شرح ہدایہ (۱۴، ۱۵) جامع الرموز مع حوالہ خیرۃ الفتاویٰ (۱۶) فتاویٰ انقروی (۱۷) واقعات المفتیین (۱۸) کشف الغطاء، ان اٹھارہ مستند و معتبر کتب فقہ سے عبارات نقل فرما کر اپنے موقف کو ثابت فرمایا ہے۔ اس مختصر تحریر کا دامن اتنا وسیع نہیں کہ ان تمام عبارات کو نقل کیا جائے۔ اس لیے تمام عبارات کا خلاصہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

خلاصۂ عبارات:- اہل میت کا شرکاء کے لیے کھانے کا اہتمام بطور دعوت کرنا بدعتِ قبیحہ ہے۔ کیونکہ دعوت خوشی میں ہوتی ہے نہ کہ غم میں اور یہ موقع غم کا ہے نہ کہ خوشی کا۔ شرکاء کا میت گھر جمع ہو کر اہل میت کو دلاسہ دینا جائز ہے جبکہ خوشی کے موقع کی طرح اہتمام نہ کیا جائے اگر اہل میت نے یا کسی اور نے کھانے کا اہتمام بہ نیت دعوت کیا ہے تو اس کھانے سے بچنا ضروری ہے۔ اور یہ دعوت بدعتِ سیئہ ہے۔

وجۂ دوم:- امام اہلسنّت نے دوسری وجہ جو بیان فرمائی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قانونِ اسلام کے مطابق مرنے کے فوراً بعد اہل میت کے ترکہ میں وراثت کے احکام جاری ہو جاتے ہیں۔ یہاں پر تین صورتیں پائی جاتی ہیں۔

ایک صورت تو یہ کہ ورثہ میں کسی نابالغ بچہ کا ہونا۔ اگر ایسا ہے تو میت کے ترکہ میں سے خرچ کرنا

ان کا حق مارنا ہے۔ کیونکہ نابالغ کو خود بھی یہ حق نہیں کہ وہ اپنے مال کو ضائع کرے، نہ ہی اس کے والد کو، نہ ہی اس کے وصی کو یہ حق حاصل کے نابالغ کے مال کو ضائع کرے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ہوسکتا ہے ورثہ میں کوئی یتیم ہو۔اس صورت میں اگر میت کے چھوڑے ہوئے مال میں سے خرچ کر کے یہ دعوت کی گئی تو یہ آیت کریمہ "ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا ط و سیصلون سعیرا" (بیشک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق کھاتے ہیں بلاشبہ وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں۔ اور قریب ہے کہ جہنم کے گہراؤ میں جائیں گے) کے مصداق خود کو مال یتیم کھانے والوں میں شامل کرنا ہوا۔ الامان والحفیظ۔ کیونکہ اوپر بیان ہوا کہ نابالغ کو خود بھی اختیار نہیں کہ وہ اپنے مال کو ضائع کرے چہ جائیکہ کوئی اور اس کے مال کو ضائع کرے۔

تیسری صورت یہ کہ ہوسکتا ہے کہ جتنے ورثہ ہیں وہ سب کے سب وہاں موجود نہ ہوں۔ اور سب سے اجازت لیے بغیر اگر میت کے مال میں سے خرچ کیا تو یہ دوسرے کے مال کو بغیر اجازت کے خرچ کرنا ہوا۔ جس سے قرآن کریم میں مولی عزوجل نے کچھ اس طرح منع فرمایا ہے۔ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل۔

اعلیحضرت یوں ارشاد فرماتے ہیں، " غالباً ورثہ میں کوئی یتیم یا اور بچہ نابالغ ہوتا ہے۔ یا اور ورثہ موجود نہیں ہوتے نہ ان سے اس کا اذن لیا جاتا ہے جب تو یہ امر سخت حرام شدید پر متضمن ہوتا ہے۔"

وجہ سوم:- ارشاد فرماتے ہیں" یہ عورتیں کہ جمع ہوتی ہیں۔ افعال منکرہ کرتی ہیں۔ مثلاً چلا کر رونا پیٹنا بناوٹ سے منہ ڈھانکنا۔ الی غیر ذٰلک۔ اور یہ سب نیاحت ہے اور نیاحت حرام ہے۔"

قارئین یقیناً اس بات سے اتفاق فرمائیں گے کہ یقیناً عورتیں اس وقت صبر کا دامن چھوڑ کر وہ تمام افعال کر دیتی ہیں جن سے اسلام نے منع فرمایا ہے۔ چلا چلا کر رونا، بین کرنا، بارگاہ عزت میں شکوہ کرنا، کچھ تو کفریہ کلمات تک بک دیتی ہیں۔ اور جگہ تو نہیں پر ہمارے یہاں کی قصاب برادری میں ہم نے خود اپنی آنکھوں سے خواتین کو باقاعدہ نوحہ کرتے دیکھا ہے۔ طالب دعا نے پہلے بھی عرض کی تھی اور اس تحریر کے ذریعہ بھی خصوصاً قریشی برادران سے اور تمامی قارئین سے بھی عرض کرتا ہے اللہ و رسول کا خوف کرتے ہوئے اس برائی کو اپنے درمیان سے ختم کیجیے۔ نوحہ یقیناً حرام ہے اگر آپ کی کوششوں سے یہ فعل حرام ہمارے معاشرے سے ختم ہو جاتا ہے تو یقیناً یہ بہت بڑا کار خیر ہوگا۔ اللہ عزوجل توفیق عطا فرمائے۔

جب یہ لوگ جمع ہو کر حرام افعال میں منہمک ہیں تو یقیناً ان کے لیے کھانے کا انتظام کرنا ان کے اس حرام فعل پر مدد کرنا ہوا۔ جیسا کہ خود حضور اعلیحضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آگے ارشاد فرماتے ہیں۔

''ایسے مجمع کے لیے میت کے عزیزوں اور دوستوں کو بھی جائز نہیں کہ کھانا بھیجیں کہ گناہ کی امداد ہوگی۔ قال تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان. نہ کہ اہل میت کا اہتمام طعام کرنا کہ سرے سے ناجائز ہے تو اس ناجائز مجمع کے لیے ناجائز تر ہوگا۔''یعنی میت کے عزیزوں میں سے کسی کا ان کے لیے کھانا بھیجنا بھی ناجائز اور، خود اہل میت کا کھانے کا اہتمام کرنا تو پہلے ہی ناجائز تھا اس حرام افعال کے مرتکب مجمع کے لیے تو اور زیادہ ناجائز ہوا۔ اس کے بعد آپ نے ''کشف الغطا'' سے اسی مضمون کی ایک عبارت نقل فرمائی ہے۔

وجۂ چہارم:- طالب دعا یہاں پر خلاصہ پیش کر رہا ہے۔ اہل میت کو اتنے لوگوں کے کھانے، چائے، پان وغیرہ کا اہتمام کرنے کے لیے یقیناً ایک بڑی رقم کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اگر اپنے پاس ہے تو وہ خرچ کریں گے اگر نہیں ہے تو قرض لیں گے۔ نہیں ملا تو سود سے بھی لے کر یہ بری رسم پوری کریں گے۔ اور بلا ضرورت سود دینا بھی حرام ہے۔ اب بتایئے کہ انہیں موت کا غم یاد رہے گا یا موت پر خرچ ہونے والے مال کی وجہ سے دوسری ہی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اور شریعت نے کسی پر اپنی طاقت سے زیادہ بوجھ کسی مباح فعل کے لیے بھی نہیں ڈالا۔ تو پھر ایک ناجائز رسم کے لیے یہ تکالیف اٹھانا شریعت میں کیسے پسندیدہ ہوسکتا ہے۔

(یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ شریف جلد چہارم صفحہ ۱۳۸ تا ۱۴۰ پر موجود ہے۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی)

<u>دیگر فتاویٰ کی نشاندھی:</u>- یہ تو تھے رسالہ جلی الصوت کے حوالہ جات اس کے علاوہ بھی فتاویٰ رضویہ شریف جلد چہارم میں اس مضمون کے کئی سوالات ہیں جن میں تیجہ، دسواں، چالیسواں، ششماہی، برسی وغیرہ کے کھانے کے تعلق سے بارگاہِ رضا میں استفسار کیا گیا ہے۔ جن کے کافی و شافی جوابات امام اہلسنت نے اپنے فتاویٰ کے ذریعے عطا فرمائے ہیں۔ طالب دعا نے اپنی کم علمی کے ساتھ جن فتاویٰ میں اس مضمون کو دیکھا ہے ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

صفحہ نمبر	مسئلہ نمبر
۹	۹
۱۳۸	۱۱۹
۱۳۸	۱۲۰ (رسالہ جلی الصوت)
۱۶۲	۱۲۵
۱۷۷	۱۴۱
۱۸۰	۱۴۳

۱۹۳	۱۴۹
۲۰۸	۱۶۶
۲۱۳	۱۷۰
۲۱۳	۱۷۱
۲۱۶	۱۷۹
۲۱۸	۱۸۱
۲۱۹	۱۸۲
۲۲۱	۱۸۵
۲۲۲	۱۸۹
۲۲۵	۱۹۳
۲۲۷	۱۹۷
۲۲۸	۲۰۰

طالب دعا یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ یہاں پر سارے فتاویٰ کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ ہو سکتا ہے اور فتاویٰ بھی موجود ہوں جو اس کم فہم کو نظر نہ آسکے ہوں۔

اگر ان سارے فتاویٰ کو یہاں نقل کیا گیا تو یہ تحریر کتابی شکل اختیار کر لے گی جو ہمارا مقصد نہیں۔ اس لیے مختصراً وتبرکاً کچھ عبارات قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہیں۔

کھانے کے تعلق سے احکام:- ''مردے کا کھانا صرف فقرا کے لیے ہو عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے۔ غنی نہ کھائے۔'' (مسئلہ نمبر ۱۳۵)

''میت کے یہاں جو لوگ جمع ہوتے ہیں اور اون کی دعوت کیجاتی ہے اوس کھانے کی تو ہر طرح ممانعت ہے۔'' (مسئلہ نمبر ۱۴۱)

''میت کے دفن ہونے سے پہلے اہل میت کو کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں۔'' (مسئلہ ۱۴۳)

''۔۔۔اور جو کچھ تقسیم کیا جائے محتاجوں کو دیا جائے کہ یہ بھی ثواب کی بات ہے۔ غنی لوگ اسمیں سے نہ لیں۔'' (مسئلہ نمبر ۱۴۹)

''طعام تین قسم ہے۔ ایک وہ کہ عوام ایام موت میں بطور دعوت کرتے ہیں۔ یہ ناجائز و ممنوع ہے لان الدعوۃ انما شرعت فی السرور لا فی الشرور کما فی فتح القدیر وغیرہ من کتب الصدور اغنیاء کو اس کا کھانا جائز نہیں۔ دوسرے وہ طعام کہ اپنے اموات کو ایصال ثواب کے لیے بہ نیت تصدق کیا جاتا ہے۔ فقرا اس کے لیے احق ہیں۔ اغنیا کو نہ چاہیے۔ تیسرے وہ طعام کہ نذر ارواح طیبہ حضرات انبیا و

اولیا علیہم الصلاۃ والثناء کیا جاتا ہے۔ اور فقرا و اغنیا سب کو بطور تبرک دیا جاتا ہے۔ یہ سب کو بلا تکلف روا ہے۔اور وہ ضرور باعث برکت ہے۔" (مسئلہ نمبر ۱۷۱)

"(اولیا کی نیاز) اغنیا بھی کھاسکتے ہیں۔سوا اس کھانے کے جو موت میں بطور دعوت کیا جائے وہ ممنوع و بدعت ہے اور عوام مسلمین کی فاتحہ چہلم، برسی، ششماہی کا کھانا بھی اغنیا کو مناسب نہیں۔" (مسئلہ نمبر ۱۷۷)

"(عامۃ المسلمین کی) فاتحہ کا کھانا بہتر یہ ہے کہ مساکین کو دے اور اگر خود محتاج ہے تو آپ کھالے اپنے بی بی بچوں کو کھلائے سب اجر ہے۔" (مسئلہ نمبر ۱۷۹)

"ایصال ثواب سنت ہے۔ اور موت میں ضیافت ممنوع۔۔۔۔۔۔ جب علما نے اسے (دعوت میت کو) غیر مشروع و بدعت قبیحہ کہا تو اوسکا کھانا بھی غیر مشروع و بدعت قبیحہ ہوا۔ کہ معصیت پر اعانت ہے اور معصیت پر اعانت گناہ۔" (مسئلہ نمبر ۱۸۱)

"موت میں دعوت بے معنی ہے۔ فتح القدیر میں اسے بدعت مقبحہ فرمایا۔۔۔۔۔۔اغنیاء کا اسمیں کچھ حق نہیں۔" (مسئلہ نمبر ۱۸۵)

فتاوئ امجدیہ جلد اوّل صفحہ ۳۳۷، مسئلہ نمبر ۳۶۵ (مطبوعہ دارالعلوم امجدیہ، مکتبہ رضویہ ، کراچی) کے جواب پر حاشیہ دیتے ہوئے شارح بخاری حضور مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔"اس سے مراد یہ ہے کہ جیسے شادی بیاہ کے موقعوں پر دعوتیں ہوتی ہیں اس طرح بلا نیت ایصال ثواب دعوت کرے۔ یا جیسے بعض جگہ دستور ہے کہ میت کے کھانے کو برادری اپنا حق سمجھتی ہے۔ اگر نہ کھلائیں تو عیب لگاتے ہیں یہ ضرور بدعت قبیحہ ہے۔لیکن میت کے ایصال ثواب کے لیے کھانا پکوا کر مسلمانوں کو کھلائیں۔تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ کھانا اگر عامہ مسلمین میں سے کسی کے لیے ایصال ثواب کا ہے تو اغنیاء کو کھانا منع اور فقراء کو جائز۔۔۔"

حضور مفتی جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاوئ فیض الرسول جلد اوّل صفحہ ۴۳۹ پر تحریر فرماتے ہیں"البتہ میت کا وہ کھانا جو شادی کی طرح کھلایا جاتا ہے ناجائز اور بدعت سیۂ ہے۔"

اسی فتاوئ فیض الرسول کے صفحہ ۴۵۹ اور ۴۶۰ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"تیجہ کا کھانا فقرا و مساکین کے لیے ہے برادری اغنیا اور گاؤں والوں کو شادی کی طرح دعوت دے کر کھانا کھلانا ممنوع و ناجائز ہے۔"

"رشتہ دار اور برادری وغیرہ کے اغنیاء کے لیے وہ کھانا فاتحہ کی وجہ سے ممنوع نہیں ہے بلکہ موت کے سلسلے میں دعوت کی وجہ سے ممنوع ہے۔ لہٰذا اغنیاء کے لیے الگ کھانا پکانے کی صورت میں بھی ممنوع و

ناجائز ہی رہے گا۔"

سوم کے چنے بتاشے کے تعلق سے احکامات:- "اور سوم کے چنے بتاشے کہ بغرض مہمانی نہیں منگائے جاتے بلکہ ثواب پہنچانے کے قصد سے ہوتے ہیں۔ یہ اوس حکم میں داخل نہیں۔۔۔۔ اگر مالک نے صرف محتاجوں کے دینے کے لیے منگائے اور یہی اوسکی نیت ہے تو غنی کو ان کا بھی لینا ناجائز۔ اور اگر اوس نے عام حاضرین پر تقسیم کے لیے منگائے ہیں تو اگر غنی بھی لے لیگا تو گنہ گار نہ ہوگا۔ اور یہاں بحکم عرف و رواج عام حکم یہی ہے۔ کہ وہ خاص مساکین کے لیے نہیں ہوتے تو غنی کو بھی لینا ناجائز نہیں اگرچہ احتراز زیادہ پسندیدہ اور اسی پر ہمیشہ سے اس فقیر کا عمل ہے۔" (مسئلہ نمبر ۱۱۹)

کفار و مشرکین کو یہ چیزیں نہیں دینا چاہیے:- "مشرک یا چمار کو اس کا (ایصالِ ثواب کی فاتحہ کے کھانے، چنے، بتاشے وغیرہ) دینا گناہ گناہ گناہ، فقیر لے کر خود کھائے اور غنی لے ہی نہیں۔ اور لے لیے ہوں تو مسلمان فقیر کو دیدے۔" (مسئلہ نمبر ۱۹۳)

"یہ چنے فقرا ہی کھائیں۔ غنی کو نہ چاہیے۔ بچہ ہو یا بڑا۔ غنی بچوں کو ان کے والدین منع کریں۔" (مسئلہ نمبر ۱۹۸)

فتاویٰ فیض الرسول جلد اوّل، صفحہ ۴۳۹ (مطبوعہ دارالاشاعت فیض الرسول) پر مفتی جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "جو چنا کلمہ شریف پڑھنے میں استعمال کیا جاتا ہے اسے اغنیاء کو کھانا جائز ہے مگر نہ کھانا بہتر ہے۔"

یہ احتیاط ہے اور یہی پسندیدہ ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ چنے بتاشے یا بمبئی کے دستور کے مطابق نان خطائی، جلیبی یا بوندی وغیرہ کھالے تو اس کے لیے ناجائز نہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں دعوت کی نیت سے نہیں بلکہ ایصالِ ثواب کے لیے ہی منگائی جاتی ہیں اور تمام حاضرین پر تقسیم کرنا ہی مقصد ہوتا۔ اس لیے یہ غنی و فقیر سب کے لیے جائز ہے۔ جیسا کہ مسئلہ نمبر ۱۱۹ کے جواب میں ارشادِ سرکار موجود ہے۔

اہل میت کے لیے کھانا بھیجنا:- "صرف ایک دن یعنی پہلے ہی روز عزیزوں و ہمسایوں کو مسنون ہے کہ اہل میت کے لیے اتنا کھانا پکوا کر بھیجیں جسے وہ دو وقت کھا سکیں اور باصرار انہیں کھلائیں۔ مگر یہ کھانا صرف اہل میت ہی کے قابل ہونا سنت ہے۔" (مسئلہ نمبر ۱۴۰)

"پہلے دن صرف اتنا کھانا کہ میت کے گھر والوں کو کافی ہے بھیجنا سنت ہے۔ اس سے زیادہ کی اجازت نہیں۔" (مسئلہ نمبر ۱۸۱)

فتاویٰ امجدیہ جلد اوّل صفحہ ۳۳۲، مسئلہ ۴۶۰ (مطبوعہ مکتبہ رضویہ، کراچی) کے جواب میں حضور صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں۔ "میت کے گھر والوں کے لیے ایک دن اور رات کا کھانا بھیجا

جائے بلکہ انھیں اصرار کر کے کھلایا جائے۔ خود حدیث میں بھی کھانا بھیجنے کا امر فرمایا ہے۔" آگے آپ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال پر ان کے گھر والوں کے لیے کھانا بھجوانے کی حدیث نقل فرمائی ہے۔ (اصل فتوئی میں ملاحظہ فرمائیں)

طالب دعا نے مفتی اشرف رضا صاحب قبلہ اور مفتی محمود اختر صاحب قبلہ سے دریافت کیا تھا اور دونوں ہی صاحبان نے یہی ارشاد فرمایا کہ میت میں شامل ہونے کے لیے آئے ہوئے رشتہ دار و قرابت دار جو دوسرے شہروں سے یا دور دراز مقام سے آئے ہیں اور جن کا ارادہ میت کے گھر ہی قیام کرنے کا ہو تو وہ بھی اہلِ میت ہی کے ضمن میں آتے ہیں۔ اس لیے اگر ان کے لیے بھی کھانا بھیجا جائے تو غلط نہ ہوگا اور ان کا اس کھانے میں شریک ہونا صحیح ہے۔ عموماً بمبئی میں تین دنوں تک ناشتہ اور دونوں وقتوں کا کھانا احباب کیا کرتے ہیں۔ اگر دعوت کی نیت نہ ہو اور اہل میت کی تیمارداری کی غرض سے اور میت کے ایصالِ ثواب کے لیے اخلاص کے ساتھ یہ کھانا بھجوایا جائے تو یقیناً جائز ہے۔ اور اس کے کھانے میں بھی وہ احکام نہیں جن میں حرمت کا حکم دیا گیا ہے۔

<u>کس کا حق ہے؟</u>:- "کھانا ہو یا کپڑے یا دام دینا سب سے پہلے اپنے عزیزوں، قریبوں کا حق ہے جو حاجتمند ہوں۔ پھر ہمسایوں، پھر یتیم بیوہ، مسکین مسلمانانِ اہل شہر کا۔" (مسئلہ نمبر ۱۶۶)

<u>قول فیصل</u>:- مسئلہ نمبر ۲۰۰ "کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص مرے اور اس کے گھر والے چہلم کا کھانا پکائیں۔ اور جو برادر یا غیر ہوں۔ اون سے کہیں کہ تمھاری دعوت ہے تو وہ دعوت قبول کی جائے یا نہیں۔ اور کھانا کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔"

یہی وہ سوال ہے جس کے جواب کو پڑھ کر طالبِ دعا کو محسوس ہوا کہ اس مسئلہ میں اتنی شدت کرنا صحیح نہیں ہے۔ مفتی اشرف رضا صاحب قبلہ و مفتی محمود اختر صاحب قبلہ کا میں تہہ دل سے مشکور ہوں کہ آپ حضرات نے میری رہنمائی فرمائی اور میری الجھن کو دور فرمایا۔ آیئے اس فتوئی سے چند عبارات کو ملاحظہ فرمایئے۔

"عند التحقیق صرف فقراء ہی پر تصدق میں ثواب نہیں بلکہ اغنیاء پر بھی مورث ثواب ہے۔"

"حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (ترجمہ) 'ہر گرم جگر میں ثواب ہے۔' یعنی جس زندہ کو کھانا کھلائے گا۔ پانی پلائے گا ثواب پائے گا"

"حدیث میں ہے حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا 'جو کچھ آدمی کھا جائے اوسمیں ثواب ہے اور جو درندہ کھا جائے اوسمیں ثواب ہے۔ جو پرند کو پہونچے اوسمیں ثواب ہے۔'"

"حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں 'جو کچھ تو اپنی عورت کو کھلائے وہ تیرے لیے

صدقہ ہے۔ اور جو کچھ اپنے بچوں کو کھلائے وہ تیرے لیے صدقہ ہے۔ اور جو کچھ تو اپنے خادم کو کھلائے وہ تیرے لیے صدقہ ہے۔ اور جو کچھ تو خود کھائے وہ تیرے لیے صدقہ ہے۔ یعنی جب کہ نیت محمود اور ثواب مقصود ہو۔" (طالب دعا نے صرف ترجمہ نقل کیا ہے اصل حدیث مع سند فتاویٰ رضویہ شریف میں ملاحظہ فرمائیں۔)

اس کے بعد آپ نے حسب عادت مبارکہ فقہ کی مستند کتب کے حوالہ جات پیش کیے ہیں۔ (۱) ردالمحتار بحوالہ بحرالرائق۔ (۲) درمختار (۳) ہدایہ (۴) مجمع بحارالانوار بحوالہ توسط۔ ان تمامی عبارات کو اصل فتویٰ میں دیکھا جا سکتا ہے یہاں ہم خلاصہ عرض کر رہے ہیں۔

ان احادیث و عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ صدقہ جس طرح فقیر کو دینا جائز ہے اسی طرح غنی کو بھی صدقہ دینے سے یقیناً ثواب ملے گا۔ جبکہ نیت ثواب کی ہو۔

"معہذا اپنے قریبوں عزیزوں کے مواسات بھی صلۂ رحم و موجب ثواب ہے۔ اگرچہ وہ اغنیاء ہوں و قد عرف ذلک فی الشرع بحیث لا یخفی الا علی جاھل. اور آدمی جس امر پر خود ثواب پائے وہ کوئی فعل ہو اس کا ثواب میت کو پہنچا سکتا ہے۔ کچھ خاص تصدق ہی کی تخصیص نہیں۔"

"اگرچہ افضل وہی تھا کہ صرف فقراء پر تصدق کرتے کہ جب مقصود ایصال ثواب تو وہی کام مناسب تر۔ جس میں ثواب اکثر و وافر۔ پھر بھی اصل مقصود مفقود نہیں۔ جبکہ نیت ثواب پہنچانا ہے۔ ہاں جسے یہ مقصود ہی نہ ہو بلکہ دعوت و مہمانداری کی نیت سے پکائے جیسے شادیوں کا کھانا پکاتے ہیں، تو اوسے بیشک ثواب سے کچھ علاقہ نہیں۔ نہ ایسی دعوت شرع میں پسند نہ اس کا قبول کرنا چاہیے۔ کہ ایسی دعوتوں کا محل شادیاں ہیں نہ غمی۔ ولہذا علماء فرماتے ہیں کہ یہ بدعت سیۂ ہے۔ جس طرح میت کے یہاں روزِ میت سے عورتیں جمع ہوتی ہیں اور ان کے کھانے دانے پان چھالیا کا اہتمام میت والوں کو کرنا پڑتا ہے۔ وہ کھانا فاتحہ و ایصال ثواب کا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہی دعوت و مہمانداری ہے کہ غمی میں جس کی اجازت نہیں۔ کما بیناہ ذلک فی فتاوانا۔

یونہی چہلم یا برسی یا ششماہی پر جو کھانا بے نیت ایصال ثواب محض ایک رسمی طور پر پکاتے اور شادیوں کی بھاجی کی طرح برادری میں بانٹتے ہیں۔ وہ بھی بے اصل ہے۔ جس سے احتراز چاہیے" "اور حدیث میں ہے جو کھانے تفاخر و ریا کے لیے پکائے جاتے ہیں۔ اون کے کھانے سے نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔"

حاصل کلام:- ان تمام عبارات کی روشنی میں جو بات طالب دعا سمجھ سکا ہے وہ قارئین کرام کی خدمت میں عرض کر رہا ہے۔

انبیا و اولیا کی نیاز تبرک ہے فقیر و غنی سب کے لیے کھانا جائز ہے۔

عامۃ المسلمین کے ایصال ثواب کے لیے تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، برسی وغیرہ کرنا۔ چاہے کسی نام سے ہو کسی بھی وقت ہو جائز ہے۔

عامۃ المسلمین کے ایصال ثواب کے لیے باہتمام خوشی دعوت کرنا جائز نہیں۔ بلکہ بدعت قبیحہ ہے۔

اس کھانے کے اصل مستحق فقراء ہیں اغنیا کو اس سے ضرور ضرور بچنا چاہیے۔ یہی اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ رہا ہے۔ اور اسی کی آپ نے تعلیم دی ہے۔

اگر خالصۃ للہ، میت کے ایصال ثواب کے لیے کھانا پکایا گیا اور غنی کو کھانے کے لیے بلایا گیا تو اس کھانے کا کھانا غنی کے لیے بھی جائز ہے اور اس سے میت کو ثواب بھی پہنچے گا۔ اگرچہ بلاتے وقت دعوت کا لفظ ہی کیوں نہ استعمال کیا گیا ہو۔ شرط وہی ہے کہ ریا کاری مقصود نہ ہو۔ خلوص نیت کا ہونا لازمی امر ہے۔ لیکن اغنیاء کا نہ کھانا اور بچنا ہی افضل ہے۔ اصل حقدار فقراء ہی ہیں۔

لیکن افسوس صد ہزار افسوس آج کل اس کا بالکل الٹ ہوتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ اپنے نام و نمود کے لیے اور اپنی واہ واہی کے لیے خاندان اور پڑوسیوں اور دیگر احباب کے اغنیاء کو تو دعوتیں دے کر بلایا جاتا ہے اور بڑے اہتمام کے ساتھ انہیں کھلایا جاتا ہے۔ لیکن جو اصل حقدار ہیں، غربا و مساکین انہیں بس گنتی کے دس یا گیارہ فقیر کھلا کر ان کا حق ادا کر دیا جاتا ہے۔ بے چارے فقرا دروازے پر کھڑے انتظار ہی کرتے رہتے ہیں کہ ہمیں بھی کچھ مل جائے۔ اگر بچ گیا تو ان غریبوں کی یاد آتی ہے۔ اور وہ بھی اس طرح دیا جاتا ہے جیسے بہت بڑا احسان کر رہے ہوں۔ دھتکارتے ہوئے، گھن کھاتے ہوئے، دروازے کے باہر سے ہی حقارت کے ساتھ بچا ہوا کھانا ان کی جھولی میں ڈال دیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہی بے چارے اصل حقدار ہیں۔ ہمارے اعلحضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بار بار یہی ارشاد فرمایا ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ آپ نے اپنے ایمان افروز وصایا شریف میں باقاعدہ اس بات کی تاکید فرمائی ہے۔

وصیت نمبر ۱۱ میں یوں ارشاد فرماتے ہیں "فاتحہ کے کھانا سے اغنیاء کو کچھ نہ دیا جائے۔ صرف فقراء کو دیں۔ اور وہ بھی اعزاز اور خاطر داری کے ساتھ، نہ کہ جھڑک کر۔ غرض کوئی بات خلاف سنت نہ ہو۔"

وصیت نمبر ۱۲ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ "اعزا سے اگر بطیب خاطر ممکن ہو تو فاتحہ میں ہفتہ میں دو تین بار ان اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں۔ دودھ کا برف خانہ ساز اگرچہ بھینس کے دودھ کا ہو (غالباً یہ آئسکریم ہے) مرغ کی بریانی، مرغ پلاؤ خواہ بکری کا شامی کباب، پراٹھے اور بالائی، فیرنی، ارد کی پھریری دال مع ادرک و لوازمات، گوشت بھری کچوریاں، سیب کا پانی، انار کا پانی، سوڈے کی بوتل، دودھ کا برف۔ اگر روزانہ ہو سکے یوں کرو یا جیسے مناسب جانو۔ مگر بطیب خاطر۔ میرے لکھنے پر مجبورانہ، نہ ہو۔"

سبحان اللہ یہ ہے غریبوں کی غمخواری، اسے کہتے ہیں امت کی دردمندی، ذرا غور فرمائیں کہ

اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیا وصیت فرمار ہے ہیں۔ پہلے ہی فرمادیا کہ فاتحہ کے کھانا سے صرف فقراء کو ہی دیا جائے۔ اور پھر تصریح فرمار ہے ہیں کہ ان غریبوں کو دھتکارتے ہوئے اور جھڑکتے ہوئے نہیں بلکہ عزت و احترام کے ساتھ ان کے دل کو خوش کرتے ہوئے کھلایا جائے۔ اور یہ بھی نہیں کہ بس کچھ ہلکا پھلکا پکا دیا اور اسے غرباء میں تقسیم کر دیا نہیں بلکہ ارشاد فرمار ہے ہیں کہ اگر ہو سکے تو یہ ساری چیزیں پکا کر ان غریبوں مسکینوں میں تقسیم کی جائیں تا کہ کم از کم اس طرح تو امت محمدی کے فقراء کو اچھا کھانا نصیب ہو جائے۔ جو بے چارے ہمیشہ اچھی غذا کو ترستے ہیں اس طریقہ سے اعلیٰحضرت نے ان غریبوں کی غمخواری فرمائی ہے اور ہمیں بھی کتنی بہترین تعلیم عطا فرمائی ہے۔ (اس باب میں پروفیسر مسعود احمد صاحب قبلہ کی تحریر "غریبوں کے غمخوار" بہت مفید ہے۔)

اور ایک ہم ہیں جو "مسلکِ اعلیٰحضرت زندہ باد" کے نعرے لگاتے نہیں تھکتے۔ لیکن ہمارا عمل اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے مسلک سے کتنا مختلف ہے اس کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔ اللہ عزوجل ہمیں صحیح معنوں میں مسلکِ اعلیٰحضرت کا پیرو بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

آخری گذارش:- قارئین کرام سے التجا ہے کہ اگر ان کے سامنے یہ حالات آئیں تو اپنے دل کو خوب ٹٹولیں۔ پرکھیں کہ یہ کھانا ہم کس لیے کر رہے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ میت کو ایصال ثواب کرنے کی آڑ میں شیطان لعین ہم سے ریاکاری جیسا عظیم گناہ کروا رہا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم یہ سوچ کر کھانا کر رہے ہیں کہ اگر نہیں کیا تو فلاں کیا کہے گا اور فلانی کا میرے ساتھ کیا رویہ ہوگا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ میں نے تو اس کے یہاں کھایا تھا اگر اب اسے نہیں کھلاؤں گا تو اس کا بدلہ کیسے اترے گا؟ کہیں یہ خیال تو ہمارے دل میں نہیں آرہا کہ اگر کھانا نہیں کیا تو لوگ مجھے کنجوس کہیں گے؟ معاذ اللہ اگر ان خیالات اور اس جیسے دوسرے شیطانی وسوسات کی بنا پر آپ یہ کھانا وغیرہ کر رہے ہیں تو یقیناً یہ للّٰہیت نہیں ہے۔ اور یقیناً ایسا کھانا شریعت میں رَوا نہیں۔

اور اگر واقعی آپ کی نیت میت کو ایصالِ ثواب کرنے کی ہی ہے تب تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن یہ بات ضرور ذہن نشین رکھیے کہ یہ سب مباح افعال ہیں۔ آپ پر فرض یا واجب نہیں کہ اس کو نہ کرنے سے آپ گنہ گار ہوں گے۔ ایسی کوئی بات نہیں اور ایسا سمجھنا یقیناً جہالت ہے۔ اس لیے خدارا اپنی چادر سے زیادہ پیر پھیلانے کی بے وقوفی ہرگز ہرگز نہ کریں۔ اگر پاس پیسہ ہے تو فبہا ورنہ قرض لے کر چہلم، برسی وغیرہ کرنے کی حماقت بالکل نہ کریں۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا.

اور ایصالِ ثواب کی یہی صورت نہیں کہ صرف کھانا کھلانے سے ہی ثواب ملے گا اور بھی صورتیں ہیں، جن کے بارے میں آپ علمائے کرام سے دریافت فرما سکتے ہیں۔ بلکہ اگر طالب دعا کی دردمندانہ

گذارش کو لائق اعتنا سمجھیں تو عین نوازش ہوگی۔ وہ گذارش یہ ہے کہ اگر ہو سکے تو اپنے رشتہ داروں، عزیزوں اور اگر ان میں نہ ہوں تو پڑوسیوں اور دیگر مسلمانوں میں جو حضرات بار قرض کے نیچے دبے ہوئے ہیں اور انتہائی کوشش کر کے اس بوجھ سے نکلنا چاہتے ہیں۔ کاروبار یا نوکری وغیرہ کر کے اپنے گھر بار کو چلانے کی سعی میں منہمک ہیں، اپنے بچوں کو اچھی تعلیم دلوانے کے تمنائی ہیں۔ لیکن قرض کی ادائیگی کا بوجھ انہیں کسی طرح سے چین کی سانس لینے نہیں دے رہا۔ ہنر ہے اپنا کاروبا شروع کرنا چاہتے ہیں لیکن پاس پیسہ نہیں اس لیے غربت کے عالم میں جی رہے ہیں۔ الغرض ایسے مسلمان جن پر آپ کو مکمل بھروسہ ہوا یسے مسلمانوں کی ضرور ضرور امداد فرما کر انہیں قرض کے بوجھ سے خلاصی عطا فرمادیں، ان کا کاروبار شروع کروا دیں، ان کی بچیوں کی شادیاں کروا دیں۔ یقین جانیں کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو ہماری قوم کی حالت بہت حد تک سدھرتی ہوئی دکھائی دے گی۔ اور طالب دعا کو مکمل یقین ہے کہ اس کار خیر سے بے حساب و کتاب ثواب مل سکتا ہے کیونکہ یہ اپنے ایک بھائی کی پوری نسل پر احسان کرنا ہوگا کہ ان سب کو آپ نے قرض کے بوجھ سے آزاد کرادیا، آپ نے ان کی زندگی میں آسانیاں مہیا فرمادیں۔ اس بات پر ہمیشہ وہ آپ کو دعائیں دیتے رہیں گے اور یہ ساری دعائیں مرحوم کو بھی پہنچتی رہیں گی۔ امید ہے کہ قارئین میری اس گذارش پر ضرور غور فرمائیں گے۔

آخر میں آپ سب سے التجا ہے کہ اگر اس تحریر سے آپ کو کچھ فائدہ پہنچا ہو تو خدارا طالب دعا کے بھائی مرحوم محمد شاہد کے لیے خصوصی دعائیں فرماتے رہیں۔ اور اس کے بچوں کے لیے بھی آسانیاں میسر آئیں اس کی بھی دعائیں ضرور فرمائیں۔

چوں کہ یہ تحریر ایک سنجیدہ اور نازک موضوع کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے اس لیے آپ کی قیمتی آراء کا جاننا میرے لیے اشد ضروری ہے۔ تاکہ آئندہ کام کرتے وقت آپ کے قیمتی مشوروں کو سامنے رکھ کر کچھ کوشش کی جاسکے۔ اس لیے ہو سکے تو اپنے خیالات سے ضرور آگاہ فرمائیں۔

(اظہار تشکر:- طالب دعا حضور مفتی اشرف رضا صاحب قبلہ اور حضور مفتی محمود اختر صاحب قبلہ کا تہہ دل سے شکر گذار ہے کہ آپ حضرات نے عدیم الفرصتی کے باوجود مجھے کم تر کی رہنمائی فرمائی اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ ساتھ ہی مفتی محمود اختر صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اغلاط کی نشاندہی فرما کر اور مزید مفید مشوروں سے نواز کر اس ادنیٰ سی تحریر کی اہمیت کو بڑھا دیا ہے۔ مولیٰ عزوجل آپ حضرات کے علم و عمل و عمر، میں خوب خوب برکتیں عطا فرمائے۔ اور مجھ جیسے گنہ گاروں کو آپ حضرات کی صحبتوں سے خوب خوب فیضیاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین ﷺ۔)

❖ ❀❀❀❀❀❀❀ ❖

عالمی میڈیا اور عالمِ اسلام

از: محمد عمر ریاض عباسی، پاکستان

یہ حقیقت ہر فکر و دانش رکھنے والا شخص بخوبی جانتا ہے کہ ترقی یافتہ دنیا میں بعض ایسے موضوعات پر تحقیق اور توجہ کا عالم یہ ہے کہ اسے ترقی دیتے ہوئے ایک مستقل علمی شعبے کی سطح تک لے آئے ہیں، ایسا ہی ایک عنوان برین واشنگ (Brain Washing) یعنی دماغی تطہیر کا بھی ہے، مغرب بالخصوص امریکہ میں اس شعبے پر باقاعدہ ریسرچ کا کام ایک صدی سے زائد عرصے سے جاری ہے۔ اس شعبے میں ایک مشہور نام گستاؤلی بان کا بھی ہے۔ اس کی ایک کتاب کا نام "Psychology of Gathering" ہے جس میں ایک جگہ وہ تحریر کرتا ہے: "انسان خواہ کتنا ہی مہذب، باشعور اور تعلیم یافتہ کیوں نہ ہو اگر وہ کسی گروپ یا مجمع کے ساتھ رہے گا تو وہ مجمع کی نفسیات اور اس کی کیفیت کے تابع رہے گا، اچھے خاصے معقول اور بااخلاق افراد بھی مجمع کے پیچھے جذباتی انداز میں بھاگنے لگتے ہیں۔ مجمع میں موجود ایک ذی فہم فرد بھی اکثر دوسروں کو جو کچھ کرتے دیکھتا ہے وہی کچھ بلا سوچے سمجھے اسی طرح کرنے لگتا ہے گویا اس پر کوئی عمل کر دیا گیا ہے۔"

گستاؤلی بان کی کتاب کے اس اقتباس سے گلوبلائزیشن (Globalization) کے عمل اور سٹیلائٹ کے ذریعے تہذیبی سرحدوں کے خاتمے کے پس پردہ حکمت عملی کا آسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اور وہ حکمت عملی یہ ہے کہ دنیا کو اپنی منشاء اور مرضی کے تابع چلایا جائے۔ برین واشنگ اور اس قسم کے دوسرے شعبوں میں کی جانے والی تحقیق کے عملی تجربات پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے کیے جاتے ہیں اور میڈیا کے ذریعے کیا جانے والا برین واشنگ کا یہ عمل بظاہر غیر جانب دار لیکن درحقیقت مخالف افراد کے قلوب و اذہان اور وجدان و جذبات پر خاص تکنیک کے تحت اثر انداز ہوتا ہے۔ میڈیا کا یہ عمل دراصل ایک نفسیاتی جنگ ہے جو دیگر اقوام پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے ایک بنیادی محرک کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایک مغربی دانش ور کا یہ قول اس جنگ کی اہمیت اور افادیت کو واضح کر رہا ہے کہ "دشمن کے توپ خانہ کو برباد کرنے کے لیے ہم بموں کا استعمال کرتے ہیں، کیا اس سے زیادہ موزوں اور مناسب بات یہ نہیں کہ دشمن کے جو اذہان توپ خانوں کا استعمال کرنے پر سپاہیوں کے ہاتھوں کو آمادہ کرتے ہیں ان ذہنوں کو ہی بدل دیا جائے تاکہ وہ ہاتھ ہی کام نہ کرسکیں جو توپ خانہ کا استعمال کریں گے۔"

امریکی دانش ور اڈریان آرکنڈر نے نیویارک میں اپنی ایک تقریر کے دوران کہا تھا کہ "عالمی خبر رساں ایجنسیوں کے ذریعے یہودی تمہارے دل و دماغ کو دھوکہ دے رہے ہیں، وہ ہمیں اپنی مرضی کے

مطابق دنیا کے حالات وحوادث کو دیکھنے پر مجبور کر دیتے ہیں، اس طرح ہم لوگ اس بات سے واقف نہیں ہو پاتے کہ اصل حقائق اور حوادث کیا ہیں؟'' یہی وجہ ہے کہ میڈیا یا پراپیگنڈے کے ذریعے اسلام کی اصل روح اور تعلیمات کو مسخ کر کے دنیا کے سامنے پیش کر کے انھیں دہشت گرد کا ٹائٹل دے دیا گیا ہے جس کے باعث اگر ایک یہودی مسجد ابراہیمی میں داخل ہو کر چالیس، پچاس نمازیوں کو ہلاک کر دیتا ہے تو اسے صرف ایک جنونی (Fanatic) کہا جاتا ہے اور اگر ایک فلسطینی اپنی زمین کی حفاظت کے لیے ایک چھوٹا سا پتھر اٹھاتا ہے تو وہ دہشت گرد کہلاتا ہے۔ انہی دوہرے معیارات کی بدولت اگر چین میں حکومت سے اختلاف رکھنے کے جرم میں ایک وی جنگ شنگ نامی شخص قید ہو تو یہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کہلاتی ہے اور اسے نوبل امن پرائز کے لیے نامزد کیا جاتا ہے اور اس کے برعکس ایک نو برس کے فلسطینی بچے کو ماتھے پر گولی مار کر شہید کر دیا جاتا ہے تو وہ یقیناً ایسی ہی موت کے لائق تھا کیونکہ وہ دہشت پسند اور دہشت گرد تھا اور اگر اس بچے کا باپ اپنے بیٹے کے بدن کو کسی قریب المرگ اسرائیلی بچے کے لیے وقف کر دیتا ہے تو یہ اسرائیلی بچے کا حق تھا کیونکہ غلام ہمیشہ مالکوں کے لیے اپنی جانیں نثار کرتے آئے ہیں۔

نسلی برتری کا غرور آج سے نہیں بلکہ صدیوں سے یہودیوں کے سروں میں سمایا ہوا ہے جسے ''تلمود'' نے اساس فراہم کی ہے۔ جو یہودیوں کی ایسی کتاب ہے جس میں ان کے اندر فخر وغرور پیدا کرنے والی روایتیں جمع کی گئی ہیں۔ اس کتاب کے مطابق کرۂ ارضی پر صرف یہودی ہی اشرف المخلوقات ہیں، ''تلمود'' میں ایک مقام پر درج ہے کہ ''یہودی اللہ کی منتخب قوم ہے اور غیر یہودی جانوروں سے بدتر ہیں۔'' ۱۸۹۷ء میں سوئٹزرلینڈ کے شہر باسلز میں تین سو یہودی دانشوروں نے ہرزل کی قیادت میں دنیا پر صہیونیت کے غلبے کا منصوبہ ۱۹ رواں پروٹوکول (19th Protocol) کے نام سے بنایا تھا، اس منصوبے میں ذرائع ابلاغ کو کلیدی اہمیت دی گئی تھی، آج اس ۱۹ویں پروٹوکول کے مطابق یا تو عالمی میڈیا پر یہودیوں کا براہِ راست تسلط ہے یا ان کا اثر ورسوخ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ عالمی میڈیا یہودی مفادات کے خلاف کام ہی نہیں کر سکتا۔ اعداد وشمار کے مطابق دو ۲ فیصدی اقلیت ہونے کے باوجود امریکہ میں کروڑپتی یہودیوں کا تناسب ۲۵ فیصد ہے، امریکی انتخاب میں یہودی ووٹروں کے کاسٹ ہونے والے ووٹوں کا تناسب ۹۲ فی صد ہے جبکہ مجموعی طور پر پوری امریکی قوم کے کاسٹ ہونے والے ووٹوں کا تناسب ۵۴ فیصد ہے، واضح رہے کہ امریکہ میں مقیم مسلمانوں کی طرف سے کاسٹ ہونے والے ووٹوں کا تناسب صرف ۲۸ فیصد ہے اور وہ بھی اختلافات کے باعث تقسیم ہو جاتے ہیں، صرف ایک یہودی کمپنی نیو ہاؤس (New House) کے پاس ۴۸ روزنامے، ۲۰ ہفت روزہ رسالے، ۱۸۲ ریڈیو اسٹیشن، ۱۴۰ کیبل ٹی وی اور ۱۷۳۵ پبلشنگ کے ادارے ہیں۔ یہ کمپنی روسی نژاد یہودی سیموڈیل نیو ہاؤس (متوفی ۱۹۷۹ء) نے قائم کی تھی، نیو ہاؤس کمپنی کی جانب سے ہی ٹیڈ ٹرنر نے ۱۹۸۰ء میں ۲۰ ملین ڈالر کے سرمائے سے (CNN) قائم کیا، آج اس وقت امریکہ میں

(CNN) کے ۲۷ اور بیرونی ممالک کے اندر ۱۸ مراکز ہیں جہاں اس کے کارکنوں کی تعداد ۱۸۰۰ ہے اور دنیا کے ۱۴۲ ممالک کے ایک کروڑ ۸۰ لاکھ سے زائد خاندانوں تک چوبیس گھنٹے (CNN) کی خبریں اور تبصرے پہنچتے ہیں۔ امریکہ سے مجموعی طور ۱۷۵۹ روزنامے ۶۶۸ ہفت روزہ میگزین شائع ہوتے ہیں، ماہنامے، پندرہ روزہ، سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ جریدوں کی تعداد ان کے علاوہ ہے اخبارات کی اتنی بڑی تعداد میں سے تین اخبارات ایسے ہیں جو عالمی سطح پر زیادہ نمایاں ہیں، یہی وہ اخبارات ہیں جو فیصلہ کرتے ہیں کہ کون سی ''خبر'' ہے اور کون سی نہیں، درحقیقت خبر ان ہی اخبارات کے دفاتر میں جنم لیتی ہے اور پھر امریکہ اور دنیا بھر کے اخبارات ان کی تقلید کرتے ہیں۔ ان اخبارات میں پہلا نیویارک ٹائمز (New York Times) جس کی پانچ سال قبل تک ۱۰ لاکھ ۸۶ ہزار کی سرکولیشن تھی، ۱۸۹۶ء میں ایک دولت مند یہودی ایڈولف اوکس نے اسے خریدا تھا، دوسرا عالمی سطح کا اخبار وال اسٹریٹ جرنل (Wall Street Journal) ہے، جس کا مالک یہودی ہے اور اس کی تعداد اشاعت ۱۸ لاکھ روزانہ ہے، تیسرا عالمی سطح کا اخبار واشنگٹن پوسٹ (Washington Post) ہے جس کی موجودہ سرکولیشن ۷ لاکھ ۶۳ ہزار روزانہ ہے۔ اسی طرح ہیرالڈ ٹریبون، ٹائم میگزین جیسے کثیر الاشاعت مجلات کے مالکان یہودی ہیں اور ان کی اشاعت ۴۱ لاکھ سے زیادہ ہے۔ عالمی خبر رساں ایجنسیوں میں رائٹر کا نام سب سے نمایاں ہے دنیا کے بیشتر اخبارات اور ٹی وی اس ایجنسی کی خبروں پر بھروسہ کرتے ہیں، رائٹر کا بانی جولیس رائٹر ایک یہودی تھا، آج اس ادارے کے کارکنوں کی تعداد ۲۰۸۴ ہے۔ اسی طرح عالمی سطح کی ایک اور نیوز ایجنسی ایسوسی ایٹڈ پریس (AP) ہے جس سے صرف امریکہ میں ۱۳۰۰ روزنامے، ۳۷۸۸ ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشن وابستہ ہیں، اسی طرح (Fox TV)، (B. Sky) کا مالک بھی یہودی رابرٹ مرڈاک ہے، اسی طرح اسٹارنیٹ ورک کو رابرٹ مرڈاک نے ۵۲۵ ملین ڈالر میں خریدا تھا جبکہ اس کی مارکیٹ ویلیو ۱۵۰ ملین ڈالر تھی۔ لوگوں نے اس خریداری پر حیرت کا اظہار کیا تھا۔ جبکہ ملائیشیا کے وزیر اعظم ڈاکٹر مہاتیر محمد نے کہا تھا کہ ''یہودی کبھی گھاٹے کا سودا نہیں کرتے'' خود رابرٹ نے اکنامسٹ کے انٹرویو میں کہا تھا کہ will dim at middle class"۔ آج اسٹار نیٹ ورک کی مسلم ملک پاکستان میں مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اس کے ایک چینل اسٹار پلس کے پروگرامز کے اسپانسرز صرف پاکستانی ادارے ہیں۔ ۱۹۶۳ء میں امریکی صدر جان ایف کینڈی کے قتل کے بعد عرب مسلمانوں کے خلاف میڈیا پراپیگنڈہ قائم کیا گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس قتل میں یہودی ملوث تھے۔ اسی طرح ۱۱ ستمبر ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملے میں سوچی سمجھی یہودی سازش کارفرما تھی جس کی رو سے مسلمانوں پر حملے کا بہانہ تلاش کرنا تھا اور افغانستان، عراق کے معدنی و قدرتی وسائل پر قبضے کی صورت کو ممکن بنانا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے (CNN) اور (BBC) کے ذریعے مسلمانوں کے خلاف میڈیا وار کی صورت میں نفسیاتی جنگ کا آغاز کر کے جنگ کو طوالت بخشی گئی اور مطلوبہ مقاصد کے

حصول کو آسان بنایا گیا۔ یہودی لابی نے میڈیاوار کے ذریعے مغرب کے عوام میں یہ شعور اجاگر کرنے کی کوشش کی کہ اسلام جنونی، دہشت گرد اور امن کا قاتل مذہب ہے، اسلامی فکر کو جذبات سے مزین قرار دے کر مغربی عوام کے ذہنوں میں اسلام کی تصویر کو دھندلا کر کے پیش کیا گیا۔ یہ میڈیا وار کا ہی نتیجہ ہے کہ اسلام کو دہشت گرد مذہب اور مسلمانوں کو بنیاد پرست کہا جانے لگا۔ آج جہاں جہاں مسلمان اپنے حق خود ارادیت کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں، وہاں ان کی مزاحم یہودی اور ہندو لابی کے خلاف کوئی اقدام نہیں اٹھایا جاتا کیونکہ مسلمانوں کا آزادی کے حصول کا مطالبہ امریکہ کی نظر میں دہشت گردی ہے اور خود امریکہ کا معصوم افغانی و عراقی مسلمانوں کے لہو سے اپنے ہاتھ رنگین کرنا دہشت گردی کا خاتمہ ہے اور امن کے فروغ کی علامت ہے، یہ وہ دوہرے معیارات ہیں جو دہشت گردی اور جہاد میں فرق کیے بغیر قائم ہوئے ہیں تا کہ مسلمانوں کو علمی، فکری، سائنسی اور اخلاقی لحاظ سے غیر مستحکم کر کے ان پر غلبہ حاصل کیا جائے اور پوری دنیا کو امریکہ کی کالونی بنا کر غلامی کے شکنجے میں جکڑا جائے۔

وسائل، سرمایہ اور ذہنی صلاحیتوں کی فراوانی کے باوجود بھی صورتحال یہ ہے کہ آج مسلم دنیا سے یہ توقع کرنا اب شاید عبث ہوگا کہ وہ راتوں رات "BBC" اور "CNN" یا نیوز ویک اور ٹائمز کے معیار کے ادارے قائم کر سکیں، اس لیے کہ اس میڈیا کے شعبے میں ہم ترقی یافتہ دنیا سے کوسوں دور ہیں۔ گذشتہ چند برسوں سے کچھ پرائیوٹ چینلوں (ARY)، (Geo TV)، (Q TV) نے اسلامی اقدار کے فروغ اور دنیا کے سامنے اسلام کو دین امن کے طور پر متعارف کروانے میں کافی حد تک اپنا کردار ادا کیا ہے۔ اسلامی تعلیمات کو اس انداز میں پیش کر کے مغرب کے ذہنوں سے غلط فہمی دور کر کے اصل حقائق پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ لیکن اس وقت عالم اسلام کے لیے ناگزیر ہے کہ اپنا ایک مشترکہ ٹی وی نیٹ ورک قائم کریں جس میں ہر زبان کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کا موقف پیش کر کے دنیا کے سامنے امریکی اور یہودی لابی کا مکروہ چہرہ بے نقاب کیا جا سکے۔ موجودہ دور میں میڈیا ایک ایسا ہتھیار ہے جو فتح و شکست، ذہن سازی، اقدام سازی اور قیادت سازی کے امور انجام دے رہا ہے؛ اگر عالم اسلام مغربی میڈیا کے پراپیگنڈے کا موثر جواب دے کر آئندہ ہونے والی سازشوں کو پہلے سے بے نقاب کرنا چاہتا ہے اور علمی، فکری، اخلاقی اور سائنسی سطح پر عالم اسلام کے نوجوانوں کی تربیت کا خواہاں ہے تو اسے اتحاد، اتفاق اور اخوت کا مظاہرہ کر کے الگ ورلڈ اسلامک یو این او، ورلڈ اسلامک کورٹ آف جسٹس، ورلڈ اسلامک کامن ویلتھ اور ورلڈ اسلامک میڈیا جیسے ادارے قائم کر کے اپنے فیصلے خود کرنا ہوں گے اور ذلت و رسوائی سے نکل کر عروج و تمکنت کو حاصل کرنا ہوگا، یہی وقت کا تقاضا ہے۔

"اللہ تعالیٰ عالم اسلام کو باہم متحد ہو کر مغربی و صیہونی میڈیا وار کا مقابلہ کرنے کی توفیق بخشے۔" (آمین)

(بشکریہ ماہ نامہ "منہاج القرآن" جون ۲۰۰۴ء)

ایک عیسائی مبلغ کا قبول اسلام

ترتیب: خلیل احمد رانا، پاکستان

کافی عرصہ پہلے کی بات ہے، ۱۷ر جون ۱۹۶۳ء کی شام جامعہ انوار العلوم کچہری روڈ ملتان میں ایک روح پرور اجتماع منعقد ہوا، جس میں عیسائیت کا ایک بہت بڑا مبلغ نہایت شستہ اور فصیح عربی میں اپنے اسلام لانے پر فخر کرتے ہوئے یہ اعلان کر رہا تھا !

"میں نے اسلام کو دین حق پایا، یہ دین صحیح معنوں میں وحدانیت کی تعلیم دیتا ہے، اب میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم خدا کے رسول اور اس کے بندے ہیں اور خدا وحدہٗ لاشریک ہے، مجھے اسلام لانے پر فخر ہے"۔

مبلغ عیسائی مشنری عبدالمسیح کی یہ تقریر قریباً نصف گھنٹہ جاری رہی، اس کے بعد علامہ سیدی احمد سعید کاظمی قدس سرہٗ نے ان کو کلمہ پڑھایا، دین پر استقامت کی تلقین فرمائی اور ان کا نام عبدالرحمن رکھا، علامہ کاظمی علیہ الرحمہ نے حاضرین کو مختصراً یہ بتایا کہ ان سے ملاقات کب ہوئی اور پانچ یوم سے ملتان میں کن کن مسائل پر گفتگو ہوئی اور علمی و عقلی دلائل سے کس طرح یہ ثابت کیا گیا کہ اسلام دین حق ہے، خداوند تعالیٰ اولاد سے پاک ہے، اس کی ذات لم یلد ولم یولد ہے، حاضرین نے پُر جوش نعرہ ہائے تکبیر و رسالت اور اسلام زندہ باد کے نعروں سے اپنے بھائی کا استقبال کیا اور علامہ کاظمی صاحب کی علمیت پر نعرہ ہائے تحسین بلند کیے۔

مولانا ابن بشیر دہلوی فاضل جامعہ انوار العلوم ملتان اس مبارک موقع پر موجود تھے، انہوں نے درج ذیل انٹرویو ہفت روزہ "سیر و سفر" ملتان کے لیے حاصل کیا تھا، مولانا ابن بشیر دہلوی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نومسلم عبدالرحمن صاحب سے عرض کیا کہ میں آپ سے جریدہ "سیر و سفر" کے لیے انٹرویو لینا چاہتا ہوں، عبدالرحمن صاحب نے فرمایا کہ اس وقت تو بے حد مصروفیت ہے، کل کوئی سا وقت رکھ لیں، میں نے شکریہ ادا کیا اور واپس چلا آیا۔

دوسرے روز ۱۸ر جون ۱۹۶۳ء کو صبح نو بجے جامعہ انوار العلوم پہنچا، دارالحدیث میں حضرت علامہ کاظمی صاحب اور عبدالرحمن صاحب مع چند علما و طلباء تشریف فرما تھے، حضرت کاظمی صاحب، عبدالرحمن صاحب سے عربی میں گفتگو کر رہے تھے، عبدالرحمن صاحب کے متعلق یہ عرض کر دوں کہ ان کو عربی، انگریزی اور اُردو پر پورا عبور حاصل ہے، وہ ہر سہ زبانوں کو مادری زبانوں کی طرح بولتے ہیں، انجیل اور قرآن پر گہری نظر ہے، مسیحت اور اسلام کا بڑا گہرا مطالعہ ہے، پاکستان، ہندوستان، ایران، شام اور مصر میں عیسائیت

کی تبلیغ کرتے رہے ہیں، ہر بات مدلل طریقہ پر کرتے ہیں اور دوسرے سے بھی دعویٰ کے ساتھ دلیل طلب کرتے ہیں، بڑے بڑے علما سے ملاقاتیں کر چکے ہیں، بلکہ بعض کو تو عیسائیت کی دعوت بھی دی ہے، علامہ کاظمی صاحب جب گفتگو سے فارغ ہوئے تو میں نے اپنا منشاء ظاہر کیا، عبدالرحمن صاحب مُسکرا کر خاموش ہو گئے، میں نے ان کی مُسکراہٹ کو رضامندی پر محمول کرتے ہوئے اپنے سوال کی ابتداء کی۔

سوال: آپ یہ فرمایئے، وہ کون سی بات تھی جس نے آپ کو اسلام کی طرف متوجہ کیا، کوئی خاص واقعہ تھا یا کسی مسلمان کی زندگی سے آپ متأثر ہوئے؟۔

عبدالرحمن صاحب نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا! مجھے متأثر کرنے والے صرف اسلام کے زریں اصول تھے، کوئی واقعہ یا شخصیت نہیں۔

میں نے ذرا وضاحت چاہی تو فرمانے لگے، دیکھیے اصل چیز وحدانیت ہے، آپ نظام کائنات پر غور فرمائیں تو یہ چیز واضح ہوگی کہ اس نظام کو قائم کرنے اور چلانے والی کوئی ذات ضرور ہے، یہ سب کچھ اپنے آپ نہیں ہو رہا، بلکہ کسی کے حکم کے ماتحت ہے، پھر نظام کائنات کا احسن طور پر ہونا اس بات کو واضح کرتا ہے کہ وہ ذات ذاتِ واحد ہے، اگر چند خدا ہوتے تو فساد برپا ہو جاتا اور یہ حُسنِ ترتیب باقی نہ رہتی، میں نے اسلام اور دیگر مذاہب کا بڑا گہرا مطالعہ کیا ہے، مجھے اسلام میں وحدانیت ہی ملی، دوسرے مذاہب میں کہیں تثلیث ہے، کہیں ستاروں کی پرستش ہے تو کہیں سورج کی پوجا، کہیں حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مان کر خدائی تین کے درمیان مشترک مانی جاتی ہے، اس بات نے مجھے مجبور کیا کہ میں قرآن کا مطالعہ کروں۔

سوال: قرآن کے مطالعہ سے آپ پر کیا اثر مرتب ہوا؟

جواب: قرآن کے واضح دلائل نے یہ ثابت کیا کہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے، وہ لم یلد ولم یولد ہے، وہ خاندان عزیز و اقارب، سب سے پاک ہے، پھر قرآن کا انداز بیان، اس کی فصاحت و بلاغت اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ یہ بندے کا کلام نہیں، بلکہ خدا کا کلام ہے۔

سوال: پھر تو آپ کو قرآن کے مطالعہ کے بعد ہی مسلمان ہو جانا چاہیے تھا، تاخیر کا کوئی خاص سبب تھا؟

جواب: آپ کا خیال صحیح ہے مگر قرآن پاک کی بعض آیات کے متعلق میرے کچھ شبہات تھے، میں ان کے تسلی اور تشفی بخش جواب چاہتا تھا۔

سوال: تو آپ نے اس سلسلہ میں علما سے ملاقات کی ؟

جواب: جی ہاں میں نے بہت سے علما سے ملاقات بھی کی اور خط و کتابت بھی، ہر دو طرح سے سوال و جواب جاری رہے، میں پھر سوال و جواب پر اعتراض کرتا تھا، اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا، بعض نے

میرے متعلق یہ خیال کیا کہ میں صرف ان حضرات کو پریشان کر رہا ہوں، بعض نے الزامی جوابات دیے، بعض غصہ ہو گئے، بعض نے کہا پھر کسی وقت ملاقات کرنا ہم اور علما کو جمع کریں گے۔

(راقم خلیل احمد کو یاد ہے کہ اس زمانہ میں یہ بات مشہور تھی کہ جامعہ اسلامیہ بہاول پور کے شیخ التفسیر مولوی شمس الحق افغانی دیوبندی سے بھی ان کے سوالوں کا جواب نہیں بن پڑا تھا، واللہ اعلم)

سوال: آپ کی علامہ کاظمی صاحب سے کب ملاقات ہوئی اور کس طرح ؟

جواب: جیسے میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ میں شبہات کے سلسلہ میں علما سے ملاقات کرتا تھا، مجھے بتایا گیا کہ تم کاظمی صاحب سے ملاقات کرو، وہ محرم میں کراچی تشریف لائیں گے، یہ ایک سال قبل کا واقعہ ہے، میں ان دنوں کراچی میں تھا، ذی الحجہ کے آخری ایام تھے، میں ملاقات کرنے کے لیے ٹھہر گیا، جب کاظمی صاحب کراچی تشریف لائے، میں نے آپ کی تقریر آرام باغ کراچی میں سُنی، میں نے ایک پرچہ لکھ کر بھیجا، جس میں اعتراض کیا گیا تھا، کاظمی صاحب نے اس کا مدلل جواب دیا، میں نے سوچا ان سے ضرور ملاقات کی جائے، ویسے بھی کراچی کے اکثر علما مجھ سے شناسا تھے، دوسرے روز مجھے کاظمی صاحب کی خدمت میں ہاؤسنگ سوسائٹی لے جایا گیا، میری حضرت علامہ سے یہ پہلی ملاقات تھی، میرے اعتراضات کا انہوں نے جواب دیا، مگر ان کی مصروفیت اور مختصر قیام کی وجہ سے طویل ملاقات نہ ہو سکی، علامہ کاظمی صاحب نے مجھے ملتان آنے کی دعوت دی اور دعوت اسلام بھی پیش کی، میں نے عرض کیا اُفکر یعنی میں فکر کروں گا سوچوں گا۔

ایک سال کا عرصہ گزر گیا، خلش باقی تھی، میں تشفی چاہتا تھا، کراچی سے حیدر آباد، سکھر اور بہاول پور میں مختلف علما سے گفتگو کی، مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی، میں نے سوچا ملتان قریب ہے، کاظمی صاحب نے دعوت بھی دی تھی، میرے دل میں ان کے جوابات کی لذت ابھی تک باقی تھی، میں ملتان آ گیا۔

سوال: آپ کتنے یوم کاظمی صاحب سے مناظرہ فرماتے رہے اور کن کن مسائل پر گفتگو ہوتی رہی ؟

جواب: میں نے پانچ دن تک کاظمی صاحب سے ان تمام مسائل پر گفتگو کی، جن کے متعلق میرے ذہن میں عرصہ سے شبہات تھے اور ان کے تسلی بخش جواب مجھے نہیں ملے تھے۔

سوال: اب آپ کی تسلی ہو گئی یا کچھ شبہات باقی ہیں؟

جواب: میرا ایمان لانا، یعنی دین اسلام کو قبول کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ میں مطمئن ہو گیا ہوں۔

سوال: اپنے کچھ اعتراض آپ بتا سکتے ہیں جس کی تشفی کاظمی صاحب نے فرمائی ؟

جواب: پانچ روز کی گفتگو مکمل طور پر تو نہ بتا سکوں گا، البتہ چند اہم اعتراض یا شبہات بتائے دیتا ہوں۔

میں نے عرض کیا، تو فرمایئے!

جواب: (قرآن مجید کی آیت) "ثم استوئ علی العرش" کے متعلق میرا شبہ تھا کہ جب خدا عرش پر رونق افروز ہے اور عرش مسلمانوں کے نزدیک محدود ہے تو اس پر بیٹھنے والا بھی محدود ہوگا، حالانکہ خداوند تعالیٰ ہر لحاظ سے یعنی اپنی ذات اور صفات کے لحاظ سے غیر محدود ہے، تو پھر اس آیت کا کیا مفہوم ہوگا؟

سوال: کاظمی صاحب نے اس کا جواب کیا دیا؟

جواب: کاظمی صاحب سے ہی معلوم فرمالیں، وہ بہت بہتر طریقہ پر آپ کو بتا سکیں گے۔

میں حضرت علامہ کاظمی صاحب کی طرف متوجہ ہوا، عرض کیا حضرت! آپ فرمائیں! حضرت علامہ کاظمی صاحب نے فرمایا: "استوئ علی العرش" کے جو معنی انہوں نے سمجھے ہیں وہ صحیح نہیں، استوئ بمعنی "جلس" نہیں بلکہ بمعنی "استعلی"، پروردگار کی بلندی اور غلبہ مراد ہے نہ کہ رب کا بیٹھنا، اس صورت میں وہ شبہ ختم ہو جاتا ہے جو غلط مفہوم لینے سے پیدا ہوتا ہے۔

میں نے پھر عرض کیا، دوسرا اعتراض ان کا کیا تھا؟

کاظمی صاحب نے فرمایا: ان کا دوسرا اعتراض یہ تھا، انہوں نے فرمایا! قرآن پاک کی آیت ہے "وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه" (سورۃ ابراہیم، آیت: ۴) جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان کے ساتھ۔ اس پر ان کا اعتراض یہ تھا کہ آپ کی زبان تو اُردو ہے، نبی کی زبان عربی تھی، تو پتہ چلا کہ ان کی بعثت آپ کی طرف نہ تھی، صرف عربوں کے لیے تھی کیونکہ قرآن "بلسان قومه" فرما رہا ہے، یا یہ کہ وحی کا نزول اُردو میں بھی ہوا ہو۔

کاظمی صاحب نے فرمایا: میں نے یہ جواب دیا ہے کہ قوم اور امت میں فرق ہے، قوم سے مراد یہ ہے کہ جس میں نبی کی پیدائش ہو وہ نبی کی قوم ہے، ہم نبی کی امت ہیں قوم نہیں، قرآن نے "بلسان امته" نہیں فرمایا بلکہ "بلسان قومه" فرمایا ہے، نبی کی زبان وہ ہوتی ہے جس قوم وہ پیدا ہوتا ہے، جو اس کی زبان ہو، اگر "بلسان اُمته" ہوتا تو اعتراض درست ہوتا، مگر اس آیت میں "بلسان قومه" ہے لہٰذا یہ اعتراض درست نہیں۔

میں نے پھر عرض کیا: اور کوئی اہم سوال جو انہوں نے کیا ہو وہ بھی فرمادیں!

علامہ کاظمی صاحب نے فرمایا: یہ چار پانچ دن ان کے جوابات دینے ہی میں گزرے ہیں، آپ کیا کیا نوٹ کریں گے۔ میں نے عرض کیا پھر بھی کچھ نہ کچھ تو اور فرمائیں!

علامہ کاظمی صاحب نے فرمایا: ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ قرآن کریم کی آیت ہے "بما انزلت مصدقا لما معکم" (سورۃ البقرہ: ۴۱) "ما انزلت" سے قرآن مجید مراد ہے یعنی اے اہل کتاب اس قرآن پر ایمان لاؤ جو اس چیز کا مصدق ہے جو تمہارے پاس اصل توراۃ وانجیل سے ہے، تفسیر ابن کثیر میں

ہے"مصدقا لما بین یدیہ من التوراۃ والانجیل (ج۱،ص۸۳) یعنی قرآن (اصل) توراۃ اور (اصل) انجیل کی تصدیق کرتا ہے، یہی نہیں بلکہ وہ تمام کتب الٰہیہ کا مصدق ہے، تفسیر مظہری میں ہے"لما معکم من الکتب الالٰھیۃ التوراۃ وغیرھا" (ج۱،ص۶۱) یعنی قرآن تمام کتب الٰہیہ (آسمانی کتابوں) کی تصدیق کرتا ہے تورات ہو یا انجیل یا ان کے علاوہ اور کوئی آسمانی کتاب۔

اعتراض یہ ہے کہ قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر چیز کے مصدق ہیں جو ان کے سامنے اور اہل کتاب کے ساتھ ہے، قرآن میں بار بار کہا گیا "مصدقا لما معکم" "مصدقا لما بین یدیہ" اگر توراۃ اور انجیل کو محرف کہا جائے تو اس کی تصدیق کیونکر ہو سکتی ہے، جب خدا کا نبی تصدیق کر رہا ہے تو توراۃ اور انجیل تحریف شدہ نہیں ہو سکتی، اگر تحریف شدہ ہے تو تصدیق کیسی؟ اور وہ بھی نبی کی، پتہ چلا کہ مسلمانوں کا یہ اعتراض غلط ہے کہ توراۃ اور انجیل میں تحریف ہوئی۔

میں نے ان کو بتایا کہ قرآن مجید ہر اس چیز کی تصدیق نہیں کرتا جو اہل کتاب کے پاس اور ان کے ساتھ ہے بلکہ صرف اس چیز کی تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس اصل توراۃ اور اصل انجیل سے ہے جیسا کہ سورۃ المائدہ آیت ۴۸ میں ہے"وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ من الکتاب و مھیمناً علیہ" اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے حق کے ساتھ آپ کی طرف یہ کتاب اُتاری تصدیق کرتی ہوئی اس چیز کی جو اس کے سامنے ہے کتاب سے"۔

یہاں لفظ"ما" ذوالحال ہے اور لفظ"من الکتاب" اس سے حال، (املاء ما من بہ الرحمٰن، ج۱، ص۲۱۷) ذوالحال، حال کی قید کے ساتھ مقید ہوتا ہے، یعنی قرآن جس چیز کی تصدیق کرتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ کی کتاب سے ہے، ایک قول یہ ہے کہ"لما بین یدیہ" میں لفظ"ما" کا بیان"من الکتاب" ہے۔ (تفسیر روح المعانی پ۶،ص۱۵۱) یعنی قرآن مجید جس چیز کی تصدیق کرتا ہے وہ اللہ کی کتاب ہے، عام اس سے کہ وہ پوری کتاب ہو یا اس کا کچھ حصہ، تھوڑا ہو یا زیادہ، اصل کتاب کے علاوہ یہود و نصاریٰ کی جو تحریفات ہیں، قرآن مجید کا ان کی تصدیق کرنا قرآن مجید کے کسی لفظ سے ثابت نہیں ہوتا۔

علامہ کاظمی صاحب سے میں نے عرض کیا، آپ کو اس کامیابی پر مبارک باد پیش کرتا ہوں، آپ کی عظیم قابلیت اور قوی دلائل سے ان کے شبہات دور ہو گئے اور خداوند قدوس نے ان کو ہدایت فرمائی۔

علامہ کاظمی صاحب نے فرمایا: اصل بات یہ ہے کہ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم، پروردگار نے جب چاہا ہدایت فرمادی، میرے دلائل یا علمیت کو دخل نہیں، دوسرے علما کرام نے بھی ان کو یہی جواب دیئے ہونگے، مگر اب پروردگار نے ان سے غفلت کے پردے دُور فرمادیئے اور ان کو ہدایت

نصیب ہوئی، دعا کرو کہ پروردگار انہیں استقامت عطا فرمائے۔

میں نے عبدالرحمٰن صاحب سے عرض کیا: علامہ کاظمی صاحب کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

انہوں نے جواب دیا: ''آپ کی علمیت کا اندازہ تو اس سے ہوسکتا ہے کہ میرے شبہات کی تسکین کاظمی صاحب نے فرمائی، آپ کی شخصیت علمی دنیا میں مایہ ناز شخصیت ہے، کمال کی حاضر جوابی قدرت نے عطا فرمائی ہے، حافظہ غضب کا ہے اور سب سے بڑی خصوصیت یہ کہ اپنے علم پر غرور و تکبر نہیں، آپ کی ذات انکساری اور محبت کا نمونہ ہے''۔

حقیت بھی یہی ہے، ضیغم اسلام غزالیٔ زماں علامہ سیدی احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ ملتان میں ایک عظیم شخصیت تھے، ملتان کے علمی حلقے آپ کے تبحر علمی سے بے حد متاثر اور ان کے انداز بیان کے والا و شیدا ہیں، کاظمی صاحب کی علمی کاوشوں نے ملتان کی عظمت رفتہ کو نہ صرف قائم رکھا بلکہ اس کی زندگی میں ایک عرصے کا اضافہ کردیا۔

۲۵ر جون ۱۹۶۳ء کی شام کو حاجی منظور احمد صاحب احقر، مالک ہمدرد پرنٹنگ پریس ملتان نے اپنی رہائش گاہ پر جناب عبدالرحمٰن صاحب (سابق عبدالمسیح) کے اعزاز میں دعوت عصرانہ کا پُر تکلف اہتمام کیا، جس میں دیگر معززین شہر کے علاوہ غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ، سابق مدیر مسئول ماہنامہ ''السعید'' ملتان بھی شریک تھے، اس مبارک تقریب میں مشہور شاعر پروفیسر عاصی کرنالی ایم اے، گورنمنٹ کالج ملتان نے جناب عبدالرحمٰن صاحب کی خدمت میں درج ذیل ہدیہ تبریک پیش کیا۔

ہدیہ تبریک

مبارک ہو ترے گلزار ہستی میں بہار آئی
چلی جو باغ طیبہ سے وہ باد خوشگوار آئی

مہک اٹھا دماغ زندگانی اس کی خوشبو سے
یہ اک موج صبا آئی، تو کتنی خوش گوار آئی

تری کشتی کو اب کھٹکا نہیں گرداب و طوفاں کا
تری ملاح بن کر رحمت پروردگار آئی

سعادت کی ہوا نے تیری پیشانی کو چوما ہے
فضائے قدس سے باران رحمت کی پھوار آئی

عروس دین فطرت تجھ سے ہم آغوش ہونے کو
بہ انداز یقیں آئی، بہ رنگ اعتبار آئی

جو پودا جل رہا تھا وہم و شک کی دھوپ میں اے دل
وہاں توفیق بن کر سایۂ ابر بہار آئی

رضائے حق نے تجھ پر رحمتوں کے پھول برسائے
سعادت گل فشاں آئی، ہدایت عطر بار آئی

ابد تک اب کھلیں گے پھول تیری کشت ایماں میں
کہ باغ ''کاظمی'' سے ہو کے یہ فصل بہار آئی

اے اے دل گلیم بوذر و سلماں مبارک ہو
وہ ہستی جو قبائے قیصر و کسریٰ اتار آئی

ستاروں کی تنک تابی، فضا کی تیرہ سامانی
تری ہستی خدا کا شکر ہے وہ شب گزار آئی

تری دنیا میں اب مہر درخشاں کا اجالا ہے
یہ وہ سورج ہے جس کی روشنی کا بول بالا ہے

(ماخذ ماہنامہ السعید، ملتان شمارہ، جولائی ۱۹۶۳ء۔ التبیان تفسیر قرآن، پارہ اول از علامہ کاظمی قدس سرہٗ)

بقیہ جشن یوم رضا کے تحت مشاعرۂ نعت ومنقبت

جو بھی پہونچا ہے کوثر در مصطفیٰ ☆ نور ہی نور میں وہ نہانے لگا

جناب کوثر نیپالی صاحب

جنت عطا ہو مجھ کو تو جنت بھی میں نہ لوں ☆ رہنے کے واسطے جو مدینہ میں گھر ملے

جناب عطاء اللہ ہڑدنگ

اس مشاعرہ میں جناب وصی صدیقی، جناب ضامن بہرائچی اور گوپال شکل کے علاوہ علما کرام وشہر کے معزز حضرات نے شرکت کی جن میں خصوصیت کے ساتھ حضرت حافظ وقاری ابراہیم قادری خطیب و امام مسجد قاضی چندن محلہ شخیاپورہ بہرائچ، حضرت مولانا جمیل اختر رضوی ناظم مدرسہ مسعودیہ غوث العلوم بخاری، حضرت مولانا صغیر احمد مسعودی، جناب مولوی یار محمد، جناب رمضان الحق، جناب محمد فاروق لکھنوٴ اور ہارون نقشبندی کے نام قابل ذکر ہیں۔

مشاعرہ کا اختتام صلوٰۃ وسلام، پر ہوا۔ بعدہ صدر مشاعرہ حضرت انجم صدیقی و بانیٔ مشاعرہ جناب شانِ عالم مسعودی نے شعراء اور سامعین کا شکریہ ادا کیا۔

المرسل: انصار نگروروی استاذ المرکز الاسلامی دار الفکر درگاہ روڈ بہرائچ شریف (یوپی)

یہودی عیسائی گٹھ جوڑ

ترجمہ و تبصرہ: خورشید احمد سعیدی
khursheedsaeedi@hotmail.com

اس وقت عالمی سطح کے اقتصادی، سیاسی، سماجی، معاشرتی، تعلیمی وغیرہ امور پر یہودیوں اور عیسائیوں کا غلبہ ھے۔ اگرچہ ان دونوں قوموں کے درمیان تاریخی اعتبار سے اختلافات موجود رہے ھیں لیکن عصرِ حاضر میں ان کے رھنماؤں نے باھمی تعلقات کو بھتر بنانے اور مشترکہ مفادات کی خاطر انھیں مضبوط بنانے کے لیے نئی پالیسیاں وضع کی ھیں۔ ۲۵/اپریل ۲۰۰۳ء کو ان کا ایک اجلاس امریکی ریاست ورجینیا کے شہر ویناVienna میں ھوا۔ جس کے نتیجے میں بھت سے امور پر اتفاق کیا گیا۔ مسلمانوں کو ان کا علم ھونا کئی وجوھات سے ضروری ھے اس لیے اس اجلاس کے اختتام پر اُن کے اعلان کا اُردو ترجمہ تمھید و تبصرہ کے ساتھ پیش خدمت ھے۔ اعلان کا متن پانچ مختلف زبانوں کے علاوہ مکمل انگریزی میں بھی انٹرنیٹ کی ویب سائیٹ http://www.jcrelations.net/en/?id=2048 پر ۲۸/جون ۲۰۰۴ء کو پایا گیا تھا اور یہ تادم تحریر موجودہ ھے۔ (سعیدی)

مسلمانوں کے ساتھ یہودیوں اور عیسائیوں کے تعلقات کن بنیادوں پر قائم ہوتے ہیں؟ یہ دونوں قومیں مسلمانوں کے ساتھ کس شرط پر راضی ہوسکتی ہیں؟ ان کی سوچ وفکر میں مسلمانوں کے بارے میں کیا تمنا پوشیدہ ہے؟ یہ اہم سوال ہیں اور اِس دُنیا میں رہنے والے ہر مسلمان کو اِن کے جواب کا علم ہونا ضروری ہے۔ آیئے دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں ہماری کیا رہنمائی فرمائی ہے؟ ارشادِ ربانی ہے: وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ ۔۔۔[1] ''اور ہرگز خوش نہیں ہوں گے آپ سے یہودی اور عیسائی یہاں تک کہ آپ پیروی کرنے لگیں ان کے دین کی''۔ اس آیت مبارکہ میں لفظ عنک کی ضمیر خطاب سے حضور سید الانبیاء والمرسلین کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے محبوب ''وہ تو صرف اِس کو پسند کرتے ہیں کہ آپ اپنا دین چھوڑ کر ان کے باطل کو قبول کرلیں''[2]۔ قرآن مجید کے اس اسلوب بیان سے بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''بہت مؤکد پیرایہ میں آپ کو منع کردیا کہ آپ ہرگز ایسا نہ کریں کیونکہ آپ کے پاس علم آچکا۔ حقائق منکشف ہوگئے۔ اگر ایسا کرو گے تو تم پر سے سایۂ فضل الٰہی اُٹھ جائے گا''۔[3]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہود و نصاریٰ ہمارے نبی کریم ﷺ سے اس وقت تک راضی اور خوش نہیں ہوسکتے جب تک وہ دینِ اسلام پر قائم رہیں گے۔ اس دنیا سے سید المرسلین ﷺ کے پردہ فرما جانے

کے بعد اب نسلِ یہود و نصاریٰ کی کوششوں کا رخ مسلمانوں کی طرف ہے۔ وہ انہیں دوستی کا جھانسا دے کر گمراہ اور تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں۔ اسی خرابی و تباہی سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ ''اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے۔ بے شک اللہ بے انصافوں کو راہ نہیں دیتا''۔[۵]

صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''اس آیت میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی و موالات یعنی ان کی مدد کرنا، ان سے مدد چاہنا، ان کے ساتھ محبت کے روابط رکھنا ممنوع فرمایا گیا۔ یہ حکم عام ہے اگرچہ آیت کا نزول کسی خاص واقعہ سے ہوا ہو''۔ آپ مزید لکھتے ہیں کہ کافر کوئی بھی ہوں، ان میں باہم کتنے ہی اختلاف ہوں، مسلمانوں کے مقابلہ میں وہ سب ایک ہیں اَلْکُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ۔ اسی لیے بہت شدت سے تاکید کی گئی ہے کہ مسلمانوں پر یہود و نصاریٰ اور ہر مخالف دین اسلام سے علیحدگی اور جدا رہنا واجب ہے۔[۶]

اسی سلسلے میں صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے امیر المؤمنین حضرت عمر اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان ہونے والی ایک گفتگو بھی نقل فرمائی ہے۔ آپ لکھتے ہیں: ''حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا کاتب نصرانی تھا۔ حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ نصرانی سے کیا واسطہ، تم نے یہ آیت نہیں سنی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ الآیہ؟ انہوں نے عرض کیا اس کا دین اس کے ساتھ مجھے تو اس کی کتابت سے غرض ہے۔ امیر المؤمنین نے فرمایا کہ اللہ نے انہیں ذلیل کیا تم انہیں عزت نہ دو، اللہ نے انہیں دور کیا تم انہیں قریب نہ کرو۔ حضرت ابو موسیٰ نے عرض کیا کہ بغیر اس کے حکومت بصرہ کا کام چلانا دشوار ہے یعنی اس ضرورت سے بمجبوری اس کو رکھا ہے کہ اس قابلیت کا دوسرا آدمی مسلمانوں میں نہیں ملتا۔ اس پر امیر المؤمنین نے فرمایا نصرانی مرگیا والسلام یعنی فرض کرو کہ وہ مر گیا اس وقت جو انتظام کرو گے وہی اب کرو اور اس سے ہرگز کام نہ لو یہ آخری بات ہے۔''[۷]

اس واقعہ اور اس سے قبل مذکور قرآنی آیات کی روشنی میں یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں ہر دور میں نہ صرف باخبر رہنا چاہیے بلکہ ان کے گٹھ جوڑ کے اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت، طرزِ عمل اور عصر حاضر کے معتبر مسلمان علما کی آراء کا پابند رہنا چاہیے۔

اس قرآنی ہدایت، اس سلسلے میں ایک عظیم خلیفہ راشد کے طرز عمل اور مسلمان علما کی وقیع رائے کو ملاحظہ فرمانے کے بعد اب آیئے آج کے یہود و نصاریٰ کے باہمی تعلقات پر ان کے اپنے ہی جاری کردہ

اعلان پر نظر ڈالتے ہیں۔ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

بیپٹسٹ الائنس کی جانب سے یہودی عیسائی تعلقات کے متعلق ایک اہم عہد

بیپٹسٹ عیسائی ہونے کی حیثیت سے ہم ایسے اعتقادات کے وارث اور مبلغ رہے ہیں جن کے مطابق مسیح کی موت کا الزام یہودیوں کے سر پر ہے۔ یہ ایسے اعتقادات ہیں جنہیں پہلی صدی کے سیاق اور حالات سے ہی عیسائیوں کی کتب مقدسہ پر مبنی یہود مخالف جدل اور مناظروں کے لیے اپنایا گیا ہے۔ ان اعتقادات نے بائبل کے ان وعدوں اور خصوصی استحقاق کو ناجائز طریقوں سے عیسائیوں کے لیے ثابت کیا ہے جو دراصل خدا نے یہودیوں کے لیے مقرر کیے تھے۔ یہ ایسے اعتقادات ہیں جو اس بنیاد پر یہودیوں کی انیس صدیوں پر محیط ترقی کو نظر انداز کرتے ہیں کہ معاصر یہودی پہلی صدی میں پائے جانے والے اپنے کٹر یہودی آباء کا ایک نیا روپ ہیں۔ یہ ایسے اعتقادات ہیں جو یہودی لوگوں اور یہودی قومیت کو قیامِ قیامت کے قریب شطرنج کے کھیل کے لیے استعمال کیے جانے والے بکھرے ہوئے محض مہرے ثابت کرتے ہیں۔ یہ ایسے اعتقادات ہیں جو مکالمے کے مقابلے میں تبدیلی مذہب کو، سمجھ داری کے مقابلے میں باقاعدہ تحریری گالی گلوچ کو اور علم کے مقابلے میں تعصب کو اہم سمجھاتے ہیں۔ یہ ایسے اعتقادات ہیں جو یہودی عقیدے کی گونج، اہمیت اور اثر انگیزی کو تسلیم نہیں کرتے۔

پاگل پن، نفرت، اور انسانوں کو حیوان ثابت کرنے والے رویے جو مجموعی طور پر ہولو کاسٹ (Holocaust) کہلاتے ہیں راتوں رات یا چند ایک سالوں میں رونما نہیں ہوئے بلکہ صدیوں تک پڑھائے جانے والے ایسے عیسائی عقائد، تعلیم اور کلیسیا کے جاری کردہ احکامات کا نتیجہ ہیں جو یہودیوں کے صرف اس لیے خلاف تھے کہ وہ یہودی تھے۔ مذہبی تعصب جو اس کی اپنی حمایت سے پروان چڑھا کے خلاف بنی نوع انسان کی انسانیت کی گواہی کے باوجود عیسائیوں کی بھاری تعداد نے ایسے اعتقادات کو بدلنے یا درست کرنے کے لیے کوئی کردار ادا نہیں کیا جو ایسی نفرت کو پروان چڑھاتی ہے۔ انہوں نے باہمی افہام و تفہیم کو فروغ دینے کے لیے بھی کچھ نہیں کیا جو صدیوں کے تعصب کو مٹا سکے۔ ہولو کاسٹ کے مابعد ادوار میں سوچ میں تبدیلی کے چند ایسے دھارے ضرور نظر آتے ہیں جنہوں نے اعتقادات میں مثبت تبدیلی کی اور بائبل کے متن کو نئے زاویوں سے سمجھنا سکھایا بالخصوص یوحنا اور پال کی تحریروں کو۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے چرچوں میں تعلیم اور تبلیغ کے دوران ایسی سوچوں سے کوئی استفادہ نہیں کیا۔

ہم بیپٹسٹ فرقہ سے تعلق رکھنے والے عیسائی اپنے ماضی اور حال کی صورت حال کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ واضح کرتے ہیں کہ یہودیوں کے بارے میں ہم نے جن منفی رویوں اور افسانوں کو دوام بخشا تھا ہم ان سے اب باز آتے ہیں۔ ہمارا وہ کنونشن جو ۲۵/ اپریل ۲۰۰۳ء کو امریکی ریاست ورجینیا (Virginia) کے شہر ویانا (Vienna) میں بیپٹسٹ الائنس کے اختیار کردہ نام کے تحت منعقد ہوا تھا۔

اصلاحِ احوال کے لیے ایک فورم کا اعلان کرتا ہے جس کا نام انسٹی ٹیوشنل انڈرسٹینڈنگ فار جیوئش کرسچین ریلیشنز (Institutional Understanding for Jewish-Christian Relations) ہے۔ اس فورم کے ممبران درج ذیل اعترافات کا اعلان کرتے ہیں جو پہلے ایک قرارداد کے طور پر ۴ رمارچ ۱۹۹۵ء کو ریاست ورجینیا کے شہر ویناؔ میں منعقد ہونے والے ویناؔ بپٹسٹ چرچ کے ایک اجلاس میں اختیار کیے گئے تھے۔ تسلیم شدہ اعترافات یہ ہیں:

بپٹسٹ الائنس چرچ کے ممبران ہونے کی حیثیت سے ہم:

-- جُرم میں شرکت کے گناہ کا اعتراف کرتے ہیں؛

-- اپنی خاموشی کے گناہ کا اعتراف کرتے ہیں؛

-- اپنی کتب مقدسہ کی ایسی تفسیر کرنے کے گناہ کا اعتراف کرتے ہیں جس سے یہودیوں کے دشمن پیدا ہوئے؛

-- ہولوکاسٹ کے مہیب حادثات کے دوران لاتعلق اور ساکت وجامد رہنے کے گناہ کا اعتراف کرتے ہیں؛

-- یہودی قوم کے خلاف اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں: اوران اعترافات کو عاجزی، شرمساری اوراس امید سے پیش کرتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان صلح ہو جائے گی اور ہم اس مقصد کے لیے کام بھی کریں گے۔

انفرادی طور پر اور بپٹسٹ الائنس کے ممبر ہونے کی حیثیت سے ہم اس بات کو ماننے کا واضح اقرار کرتے ہیں کہ:

۱۔ عیسائیوں کی کتب مقدسہ کی تعلیم یہ ہے کہ خدا نے بنی اسرائیل کو مردود نہیں کیا، انہیں راندۂ درگاہ قرار نہیں دیا۔ وہ خدا کے عہد کی قوم ہیں۔ (رومیوں ۱۱:۱۔۲)

اور خدا اپنی نعمتوں اور دعوت کو منسوخ نہیں فرماتا۔ (رومیوں ۱۱:۲۹)

۲۔ ہم کتب مقدسہ کی ایسی تشریحات کی مذمت اوران سے لاتعلقی کا اعلان کرتے ہیں جو یہودیوں اوران کے عقائد کے خلاف مذہبی نفرتوں کو پروان چڑھاتی ہیں۔

۳۔ ہم عظیم یہودی قوم کے ساتھ ایک خالص اور سچے مکالمے کی تلاش کریں گے جو باہمی احترام کو بڑھائے گا اور ایک دوسرے کے عقائد کی تقدیس سکھائے گا۔

۴۔ یہودیوں کے خلاف ہر قسم کے خیالات، بیانات اور سرگرمیوں کے سامنے ہم اپنی آواز جرأت اور تیزی سے بلند کریں گے۔

۵۔ ہم خود کو اور دوسروں کو یہودی۔ عیسائی تاریخ کے تعلقات از ابتدا تا دورِ حاضر اس انداز سے

پڑھائیں گے کہ ہم اپنے ماضی سے صحیح سبق سیکھیں اور حال کو سمجھ سکیں۔

۶۔ اپنے اس دور میں ہم خود کو عیسائیت کی تبلیغ کے لیے مناسب ترین انداز اور فعال افکار کے ساتھ وقف کرتے ہیں۔ (اختیار کردہ: ۲۵/ اپریل ۲۰۰۳ء، ویتا، ورجینیا)''[۸]

تبصرہ: اس اعلان پر ایک نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہودی اور عیسائی کئی صدیوں تک آپس میں اعلانیہ اور خفیہ طور پر باہم دست و گریبان رہے ہیں مگر اب انہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا ہے اور وہ مسلسل چپقلش کو چھوڑ کر بھائی چارے اور دوستی کو اپنانا چاہتے ہیں۔ ان کے رویوں میں یہ ایک اچھی اور لائق تحسین تبدیلی ہے بشرطیکہ ان کا اتحاد کسی دوسری قوم کے خلاف نہ ہو۔ موجودہ حالات اس راز سے پردہ ہٹاتے ہیں کہ ان کا یہ اتحاد مسلمانوں کے خلاف قوت جمع کرنا اور بالخصوص فلسطین اور عراق میں اپنی مرکزی سلطنت قائم کرنے کے لیے ہے۔

اس وقت سیاست دُنیا کی زمام کار چونکہ بالفعل ایسے بنیاد پرست عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے جو اپنے علاوہ کسی کو حق پر نہیں سمجھتے ہیں اور اپنے تمام فیصلوں میں خدا کی مرضی کو شامل سمجھتے ہیں اس لیے یہویوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بھی پہلے انہوں نے بڑھایا ہے۔ انٹرنیشنل کونسل آف کرسچین اینڈ جیوز (International Council of Christians and Jews) کا قائم کردہ فورم انسٹی ٹیوشنل انڈرسٹینڈنگ فار جیوئش کرسچین ریلیشنز کافی سرگرمی سے باہمی فضا کو خوشگوار اور اتحاد کو مضبوط بنانے کے لیے مصروف عمل ہے۔ اس سلسلے میں اس فورم کی مزید پیش رفت کا ایک اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بنیادی امور کے تعارف کے لیے چوالیس ۴۴، تجربات و مشاہدات کے لیے پینسٹھ ۶۵ اور دوسرے موضوعات پر ستاسی ۸۷ انتہائی علمی مقالات مذکورہ ویب سائیٹ پر دستیاب ہیں اور ان کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ عالم اسلام کے مستقبل کی بہتری کی درد رکھنے والے مسلمانوں کے لیے اس ویب سائیٹ کا مطالعہ یقیناً مفید رہے گا۔ ان شاء اللہ

مصادر و مراجع

۱۔ سورۃ البقرۃ: ۱۲۰۔ ۲۔ تفسیر ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۹۰، حاشیہ ۱۳۸۔

۳۔ علامہ ابو محمد عبدالحق حقانی، تفسیر حقانی، (لاہور: الفیصل ناشران، سن ندارد)، ج ۲، ص ۳۰۶۔

۴۔ سورۃ المائدۃ: ۵۱۔ ۵۔ ترجمہ کنزالایمان۔

۶۔ دیکھیے: خزائن العرفان، (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، سن ندارد)، ص ۲۱۰۔

۷۔ خزائن العرفان، حوالہ مذکور۔

۸۔ http://www.jcrelations.net/en/?id=2048

تاریخ تحریر: بروز اتوار ۵/ ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ بمطابق ۱۶/ جنوری ۲۰۰۵ء

رودادِ پاکستان ۲۰۰۱ء (قسط......۵)

(۲۴ر اپریل تا ۱۲ر مئی ۲۰۰۱ء)

از: محمد زبیر قادری

اردو بازار کراچی میں جب علامہ کوکب صاحب کو مطلوبہ کتاب مل گئی تو وہ واپسی کے لیے نکلے۔ مجھے ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب سے ملاقات کرنی تھی اس لیے میں نے علامہ کوکب صاحب سے کہا کہ آپ مجھے اُن کے گھر کے پاس چھوڑ دیجیے۔ ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب کا گھر قریب ہی گرومندر عرف بابری چوک کے پاس تھا۔ علامہ تو ہمیں مطلوبہ مقام پر پہنچا کر لوٹ گئے مگر ڈاکٹر مجید اللہ صاحب گھر پر نہ ملے تو ہم واپس اپنی قیام گاہ کی طرف چلے آئے۔

ہفتہ ۲۸ر اپریل ۲۰۰۱ء آج دن میں کوئی خاص پروگرام طے نہیں تھا۔ البتہ شام کو انجمن طلباء اسلام کے اراکین نے مجھے اپنے دفتر میں مدعو کیا تھا۔ جب مجھے یہ علم ہوا تھا کہ اس تنظیم کا ہر ممبر تعلیم یافتہ ہے تو ایک لمحے کے لیے میں حیرت میں پڑ گیا تھا لیکن اس کے نام پر غور کرنے پر سمجھ میں آیا کہ یہ طلبا کی ہی تنظیم ہے اس لیے ہر کارکن کا پڑھا لکھا ہونا کوئی حیرانی کی بات نہیں۔ تنظیم کا دفتر ایم اے جناح روڈ پر واقع ہے۔ میں وہاں برادرم مقصود حسین اویسی صاحب کے ہمراہ مغرب کی نماز کے وقت پہنچا اور وہیں مغرب ادا کی۔

سید رفیق شاہ تنظیم کے ایک اہم عہدہ دار سے علامہ کوکب صاحب نے میرا تعارف کرادیا تھا۔ وہ دفتر میں ملے اور میری رہنمائی کی۔ قاضی عتیق الرحمٰن کا بحیثیت تنظیمی صدر اور دفتر میں موجود دیگر لوگوں سے تعارف کرایا گیا۔

سید رفیق شاہ نے انجمن طلباء اسلام کا تعارف پیش کیا۔ ۲۰ر جنوری ۱۹۶۸ء کو انجمن طلباء اسلام کا قیام عمل میں آیا۔ مجھے بتایا گیا کہ پاکستان کے تقریباً تمام ہی تعلیمی اداروں کے طلبا انجمن کے ممبرس ہیں۔ انجمن طلباء اسلام اصل میں اہلسنّت کی طلبہ تنظیم ہے۔ پاکستان میں تقریباً تمام ہی مسالک طلبہ تنظیموں کے ذریعے اپنے اپنے مسلک کی تبلیغ و اشاعت میں کوشاں ہیں۔ کسی بھی جماعت کے لیے نوجوان طبقہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ چونکہ نوجوانوں کا ذہن دینی معلومات میں ناپختہ ہوتا ہے۔ اس لیے جو بھی عقائد اُن کے اذہان میں راسخ کردیے جائیں۔ اُس کے اثرات دیرپا ہوں گے۔ اس کے علاوہ نوجوان طلبا کو کسی بھی صحیح یا غلط کام میں استعمال بھی کیا جاسکتا ہے۔ جب باطل فرقوں نے طلبا کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرنا شروع کیا اور انہیں گمراہ کن تعلیمات کی طرف لے جانے لگے تب اہل سنّت و جماعت کو بھی ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنی بھی طلبہ تنظیم ہونی چاہیے جو انہی خطوط پر کام کرتے ہوئے نوجوان طلبا کو گمراہ

فرقوں سے بچائے اور صحیح العقیدہ مسلمان بنائے۔ انہی نظریات اور عزائم کے پیش نظر اس تنظیم کا قیام عمل میں آیا۔

انجمن طلباء اسلام کا سارا نظم ونسق کلی طور پر طلبا ہی کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ کسی بھی سیاسی جماعت کی طلبہ تنظیم نہیں ہے۔ اس کا دائرہ کار پورے پاکستان میں پھیلا ہوا ہے۔ تمام ہی بڑے شہروں میں اس کے دفاتر موجود ہیں۔ انجمن کا نظام نہایت ہی منظم ہے جس کو چلانے کے لیے ایک کارکنوں کی درجہ بندی کی گئی ہے اور مختلف عہدوں پر فائز کیا گیا ہے۔ غرض کہ طلبا کو سُنّی صحیح العقیدہ بنانے کے لیے نہایت منظم کوشش کا نام ہے انجمن طلباء اسلام۔

تنظیم کا اپنا میڈیا سیل ہے، جس کے تحت اخبار، رسائل اور تنظیمی لٹریچر شائع کیے جاتے ہیں۔ مجھے تنظیم کا آرگن ماہ نامہ "نوائے انجمن" کی چند کاپیاں پیش کی گئیں۔ اس کے علاوہ تنظیم کے کاموں کی تفصیلات مختلف قومی اخبارات اور فوٹو البم کے ذریعے بتائی گئیں۔

اسی اثناء میں میرے موبائل پر علامہ کوکب صاحب کا فون آیا اور انھوں نے حال احوال دریافت کرکے پوچھا کہ آپ کو اور کچھ کام ہو، کسی سے ملاقات کرنی ہو یا کوئی ضرورت ہو تو فرمائیں۔ مَیں نے عرصہ سے اپنے دل میں دبی خواہش کا اظہار کردیا کہ مجھے سُنّی تحریک کے محمد سلیم قادری صاحب سے ملنا ہے۔ جواباً انھوں نے کہا کہ مَیں اُن سے بات کرکے آپ کو جواب دیتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد دوبارہ اُن کا فون آیا۔ اور انھوں نے بتایا کہ سلیم قادری صاحب نے کل ملاقات کا وقت دیا ہے۔

نوجوان طلبا میں اہل سُنّت کے کاز کو لے کر چلنے والی انجمن طلباء اسلام سے مَیں بہت متاثر ہوا۔ لاہور میں تنظیم کا سالانہ کونشن ۱۲رمئی کو ہونے جارہا تھا۔ مجھے انہوں نے کونشن میں شرکت کی دعوت دی اور زور دیا کہ آپ ضرور شرکت کریں۔ لیکن مجھے ۱۲رمئی کو ہی انڈیا واپس لوٹنا تھا۔ اس لیے مَیں نے معذرت کرلی۔...... ان سب میں کافی وقت صرف ہوگیا اور ہم رخصت کی اجازت لے کر لوٹ آئے۔

اتوار ۲۹راپریل ۲۰۰۱ء آج دن میں ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب سے اُن کے گھر پر ملاقات ہوئی۔ کچھ اپنے یہاں کا حال سُنایا اور کچھ اُن کے احوال دریافت کیا۔ اُن سے امام احمد رضا پر تحقیقی کام کی تازہ پیش رفت کے بارے میں میری معلومات میں اضافہ ہوا۔ ملاقات مختصر رہی لیکن مجھے سیراب کرگئی۔

شام مغرب بعد مَیں اپنے کزن کے ہمراہ محمد سلیم قادری صاحب سے ملاقات کرنے اُن کے دفتر واقع معین پلازہ، بابائے اردو روڈ پہنچا۔ وہاں پہلے سے ہی کافی لوگ ملاقات کی غرض سے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمیں کافی دیر انتظار کرنا پڑا۔ اس دوران بیٹھے ہوئے لوگوں کی بات چیت سے اندازہ ہوا کہ وہ لوگ یہاں پر اپنے اپنے علاقے کے مسائل لے کر سلیم قادری صاحب کے پاس آئے ہیں۔ وہ مسائل تھے سُنّی

مساجد و اداروں پر بدمذہبوں کا قبضہ۔ سُنّی تحریک ان مسائل کے حل میں ہمیشہ پیش پیش رہتی ہے۔

انتظار ختم ہوا اور ہمیں بھی اندر جانے کا موقع ملا۔ دفتر میں محمد سلیم قادری اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے۔ جب میں نے اُن سے مصافحہ کیا تو اُن کے ہاتھوں کی سختی کو محسوس کیا۔ اُن کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ یہ کراٹے میں بلیک بیلٹ ماسٹر ہیں۔ لیکن مجھے اُن کے ہاتھوں کی سختی سے اُن کے عزائم کی پختگی کا اندازہ ہوا۔

مَیں نے تحریکِ فکرِ رضا اور سُنّی یوتھ فیڈریشن کے تحت اپنے کاموں کی تفصیل پیش کی تو سلیم قادری صاحب سُنّیت کے لیے کی جانے والی کوششوں سے بہت متاثر ہوئے۔ پھر انھوں نے بھی سُنّی تحریک کی سرگرمیوں اور دائرہ کار کے بارے میں بتایا۔ حالانکہ سُنّی تحریک کا قیام تحفظِ اہلسنّت کے لیے کیا گیا تھا۔ لیکن آج قومی و ملّی مسائل کے حل کے لیے بھی تحریک کے اراکین کوشاں رہتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے اہلسنّت خدمت کمیٹی ٹرسٹ قائم کر کے فلاحی سرگرمیاں جاری کی گئی ہیں۔

سلیم قادری صاحب کے کام کرنے کا اپنا ہی انداز ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اب تو ہمارے کام سے بدمذہبوں کے دلوں پر دہشت طاری ہے کہ کہیں سُنّی تحریک کے جیالے کہیں آنہ جائیں۔

انھوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ اپنے کام کو وسیع کرتے ہوئے دیگر ممالک میں بھی شاخیں قائم کریں۔ ہم نے آج تک اسی لیے کسی بین الملکی سیاسی مسائل کے لیے آواز نہیں اُٹھائی۔ اگر ہمیں انڈیا میں پلیٹ فارم مہیا ہو جائے تو ہم وہاں بھی کام کا آغاز کر دیں۔ اور ان شاء اللہ ہمارا وہاں آنے کا پروگرام بھی ہے۔ ...... مَیں نے انھیں بتایا کہ ہم اب تک لٹریچر کی اشاعت کا کام کر رہے ہیں۔ اگر ہماری ضرورت پیش آئے تو ضرور یاد کرنا۔

اس خوش گوار ملاقات کے اختتام پر سلیم قادری صاحب نے مجھے اپنی تنظیم کا لٹریچر، اسٹیکرز، بیجز عنایت کیا۔ یہ میری اُن سے پہلی اور آخری ملاقات ثابت ہوئی۔

محمد سلیم قادری صاحب سُنّی تحریک کے بانی و سربراہ تھے۔ ...... تھے اس لیے لکھنا پڑ رہا ہے کہ آج وہ ہمارے درمیان نہیں رہے۔ سُنّیت کی خدمت کرتے کرتے بالآخر وہ شہادت کے درجے پر فائز ہو گئے۔ جمعہ ۲۳ رصفر المظفر ۱۴۲۲ھ / ۱۸ رمئی ۲۰۰۱ء کو مجاہدِ اہلسنّت سلیم قادری اپنے بہنوئی، بھتیجے، ڈرائیور اور گارڈ کے ہمراہ جمعہ کی نماز کے لیے گھر سے نکلتے وقت شہید کر دیے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

محمد سلیم قادری صاحب نوجوانی سے ہی دینی جذبہ دل میں رکھتے تھے۔ جب وہ دیکھتے کہ بدمذہب فرقے سرکار ﷺ کی عظمت کے منکر ہیں، صحابہ اور اولیا کی عظمت کے منکر ہیں، تب اُن کا دل بے چین ہو اُٹھتا تھا۔ وہ اس سوچ میں رہتے تھے کہ اسلام کے دشمنوں کا مقابلہ کیسے کیا جائے۔ اُن کے دل میں مسلسل

جذبات موجزن ہوتے تھے۔ کہ ۱۹۸۰ء میں دعوتِ اسلامی کا قیام عمل میں آیا تو سلیم قادری کے خیالات کو تحریک کی صورت مل گئی۔ انہوں نے تن دہی سے مسلکِ اہلسنّت کے تحفظ کے لیے دعوت اسلامی کے پلیٹ فارم سے کام کیا۔ اس کے باوجود ایک تشنگی تھی جو بجھ نہیں پا رہی تھی۔ کیونکہ گستاخانِ رسول اپنی مذموم سازشوں کے ذریعہ عظمتِ مصطفےٰ ﷺ، عظمتِ صحابہ، عظمتِ اولیا کو داغ دار کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ اہلسنّت کی مساجد پر قبضوں کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ ان سب حالات سے سلیم قادری پریشان ہوجایا کرتے تھے۔ ہر کسی کو یہی پیغام دیتے تھے کہ اگر ہمیں اپنے مسلک کا تحفظ کرنا ہے تو اپنی مساجد کا تحفظ کرنا ہوگا۔

لیکن ان کاموں کے لیے دعوت اسلامی کا ماحول سازگار نہیں تھا۔ محمد سلیم قادری نے یہ جان لیا کہ مساجدِ اہلسنّت کے تحفظ کے لیے کھل کر مصلحت کے بغیر جدوجہد کرنا ضروری ہے۔ بالآخر ۲۷ رمضان المبارک ۱۹۹۱ء میں سُنّی تحریک کا قیام عمل میں آیا۔ اور منظم انداز میں بدعقیدہ قوتوں کا مقابلہ شروع ہوگیا۔ بہت جلد سُنّی تحریک نے کئی مساجد کو بدمذہبوں کے چنگل سے چھڑایا۔ اور ہر محاذ پر بدمذہبوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے کام سے بدمذہب بھی گھبرا اُٹھے۔ اور بالآخر انھیں شہید کردیا گیا۔

اُن کے وصال پر علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی صاحب نے ایک خط میں اپنے یہ تاثرات بیان کیے:

''۲۳ رصفر المظفر جمعہ ۱۹ رمئی کو میں نے بھی جمعہ کے اجتماع میں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کی علمی دینی خدمات کا تذکرہ کیا۔ ابھی تقریر ختم نہیں ہوئی تھی کہ مجھے سُنّی تحریک کے قائد محمد سلیم قادری کی شہادت کی خبر ملی۔ ۴۱ برس کا وہ نوجوان کتنا بڑا رتبہ پاگیا۔ گم نامی سے نکل کر صرف ایک دہائی میں وہ کتنا نیک نام ہوا ''جوانیاں لٹائیں گے مسجدیں بچائیں گے'' یہ نعرہ لے کر اٹھنے والے اس نوجوان نے مختصر عرصے میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ مسلک حق کے لیے اس کی تڑپ اور محنت کا اعتراف اس کے جنازے کا وہ تاریخی اجتماع تھا جس کے لیے ہر صحافی نے لکھا کہ اتنا اور ایسا ہجوم یہاں کبھی نہیں دیکھا ایک میل سے زیادہ رقبے میں سر ہی سر نظر آرہے تھے۔ اس عاشقِ اعلیٰ حضرت کو اعلیٰ حضرت کا ماہِ وصال اور یومِ وصال بھی ملا۔ ساعتوں میں بھی زیادہ فرق نہیں۔ ......

...... ملک بھر میں محمد سلیم قادری شہید کی شہادت پر ردِّ عمل ہوا اور احتجاج کا سلسلہ تا ایں دم جاری ہے۔ سنی تحریک کے قائد محمد سلیم قادری کے جنازے کے جلوس پر بدعقیدہ لوگوں کی ایک بستی سے پتھراؤ بھی ہوا۔ پولیس اور انتظامیہ نے دہشت گردوں کے خلاف اب تک کیا کیا ہے جوان سے کوئی توقع رکھی جائے! علماء و مشائخ اور سنی عوام نے سنی تحریک کے قائد محمد سلیم قادری کو بھرپور خراجِ محبت پیش کیا اور ان شاء اللہ اس شہید اہل سنت کا خون رنگ لائے گا۔

(از: ماہنامہ ''جہانِ رضا'' شمارہ ۹۵ جولائی ۲۰۰۱ء)

پیر ۳۰ر اپریل ۲۰۰۱ء آج مقصود بھائی نے کہا تھا کہ وہ آکر مجھے چند افراد سے ملوانے لے جائیں گے۔ لیکن وہ اپنی مصروفیات کے باعث آ نہ سکے۔ میں نے سوچا کہ صبیح رحمانی صاحب سے مل آؤں۔ موصوف میری آمد پر بہت خوش ہوئے اور کافی دیر تک مختلف موضوعات پر باتیں کرتے رہے۔ صبیح رحمانی صاحب کے تعلق سے میرا یہ گمان تھا کہ اُن کا تعلق ''غیروں'' کے قبیلے سے ہے۔ کیونکہ ممبئ میں جب میں ''نعت رنگ'' پر تبصرے پڑھتا جو کہ تمام ہی معروف ادبی جریدوں و اخبارات میں شائع ہوتے تھے، جس سے معلوم ہوا کہ اس میں تمام ہی دینی مکاتب فکر کے لوگوں کی تحاریر شائع ہوتی ہیں۔ تو میں نے قیاس کیا کہ یہ شخص بدمذہب یا صلح کلی ہے۔ مگر جب علامہ کوکب نورانی صاحب نے مجھے ان سے ملوایا اور میرا ان سے صحیح معنوں میں تعارف ہوا تب مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ صبیح رحمانی ایک خوش عقیدہ مسلمان ہیں۔

انھوں نے بتایا کہ میں خود تو بریلوی ہوں مگر میرے پرچے کا مسلک بریلوی نہیں۔ اس میں میں نعت کے حوالے سے تحقیقی تحریریں شائع کرتا ہوں۔ لیکن ایسی تحریریں نہیں شائع کرتا کہ جو اپنے عقائد سے متصادم ہوں۔ المیہ یہ ہے کہ ہمارے اہلسنت کے قلم کار اور علما حضرات میرا تعاون نہیں کرتے۔ نعت کے حوالے سے تحقیقی تحریریں مجھے نہیں بھجواتے۔ اس کے برعکس بدمذہب ریسرچ اسکالرز بہت محنت کر کے کافی تحقیقی تحریریں بھیجتے رہتے ہیں۔ اب تک صرف ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، علامہ کوکب نورانی صاحبان نے ہی میرا تعاون کیا ہے کسی اور نے نہیں۔ آپ سے ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں جو بھی نعتیہ دیوان شائع ہوا کریں آپ بھیج دیا کریں۔ اور وہاں کے علما و محققین حضرات سے مضامین لکھوا کر ''نعت رنگ'' کے لیے ضرور بھیجنے کی کوشش کریں۔...... میں نے اپنی طرف سے حتی المقدور تعاون کا یقین دلایا۔

پھر وہ مجھے اپنے ہمراہ لے کر محمد سلیم فاروقی صاحب، مدیر ماہ نامہ ''جہانِ چشت'' سے ملوانے اُن کے گھر لے گئے، جو کہ اُن کی رہائش گاہ کے قریب ہی واقع تھا۔ سلیم فاروقی صاحب نے حال ہی میں ماہ نامہ ''جہانِ چشت'' کا اجرا کیا تھا جو کہ اُن کے حلقے میں ہی نکل جاتا ہے۔ اس رسالہ کا مقصد سلسلۂ چشت کی ترویج و اشاعت ہے۔ انھوں نے تازہ شمارہ کی کاپی مجھے عنایت کی۔ مختصر ملاقات کے بعد صبیح صاحب مجھے اپنے گھر دوبارہ لے آئے۔ اور لذتِ کام و دہن سے شاد کام کیا۔

چونکہ شام چھ بجے میری لاہور روانگی تھی۔ اس لیے میں جلدی گھر لوٹ آیا۔ لاہور جانے سے ایک دن قبل میں نے ایک پی سی او سے پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب کو لاہور اور برادرم خلیل احمد رانا کو جہانیاں منڈی اپنے آنے کی اطلاع دی۔ فون رکھ کر میں جب پیسے دینے پی سی او والے کی طرف آیا تو اُس نے دریافت کیا: آپ انڈیا سے آئے ہیں؟ میں نے کہا، ہاں۔ تب اُس نے کہا، آپ کے وہاں کشمیر میں مسلمانوں پر جو مظالم ہو رہے ہیں۔ اس کے لیے آپ لوگ کچھ کرتے ہیں یا نہیں؟

اُس کی باتوں سے اور اس سے بھی پہلے اُس کی دکان میں لگے اسٹیکرس سے میں سمجھ گیا تھا کہ اس کا تعلق کس فرقے سے ہے۔ تب مَیں نے جواب دیا کہ آپ لوگ کونسا انقلاب لانے کی بات کرتے ہیں، کشمیر میں اسلامی حکومت کے لیے فضول مصنوعی جہاد کا نعرہ لگاتے ہیں۔ پہلے اس پاکستان میں جو کہ آپ کے پاس ہے، اسلامی حکومت قائم کرو۔ یہاں آپ کے پاکستان میں مسلمانوں کی حکومت ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں پر کس قدر مظالم ہوتے ہیں۔ اور آپ لوگ خود کتنا اسلام پر عمل پیرا ہیں کہ بلاوجہ جہاد کے نام پر مسلمانوں کو ورغلا کر انھیں مروا رہے ہیں اور زبردستی شہید کے لقب سے نواز رہے ہیں۔

وہ بے چارہ میرا منہ تکتا رہ گیا۔ اور مَیں پیسے دیکر لوٹ آیا۔

مَیں نے گھر سے اپنا سامان لیا اور ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کے دفتر پہنچ گیا۔ جہاں سے مقصود صاحب مجھے ریلوے اسٹیشن لے گئے۔ اور ٹرین ٹھیک ۶ بجے لاہور کے سفر پر روانہ ہوئی۔

سفر خوش گوار رہا۔ اور مَیں اگلے دن بروز منگل یکم مئی ۲۰۰۱ء کو صبح گیارہ بجے شہر لاہور میں تیسری مرتبہ وارد ہوا۔ اور تھوڑی سی تکلیف کے بعد مکتبۂ نبویہ پہنچ گیا۔ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب (مدیر ماہ نامہ ''جہانِ رضا'') میرے ہی منتظر بیٹھے تھے۔ وہ ہمیشہ کی طرح بڑے تپاک سے ملے اور خیر و عافیت دریافت کی۔ مَیں نے بھی حالات بتا کر وہاں کے حالات دریافت کیے۔ انھوں نے بتایا کہ خلیل احمد رانا صاحب بھی آپ سے ملاقات کے لیے صبح سے آئے ہوئے ہیں۔

مَیں نے اپنے ساتھ لائی ہوئی کتب اور احباب کے خطوط فاروقی صاحب کو دیئے اور برادرم خلیل رانا کے ساتھ سامان لے کر مکتبۂ نبویہ سے نکل آیا۔ ہم نے ایک ہوٹل میں روم لے کر سامان رکھا اور تازہ دم ہو کر ملنے ملانے کے لیے باہر نکل آئے۔ آج یہاں یکم مئی یومِ مزدور کی نسبت سے عام تعطیل تھی جس کی وجہ سے لاہور میں تقریباً تمام ہی دکانیں بند تھیں۔ صرف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف کے پاس چند کتابوں کی دکانیں کھلی ہوئی تھیں جن سے مجھے غرض تھی۔ مَیں نے مسلم کتابوی پہنچ کر سید منیر عطاری صاحب کو اپنی مطلوبہ کتب کی فہرست لکھوائی جو ممبئی سے مختلف لوگوں نے منگوائی تھیں۔ پھر مَیں نے ریک میں موجود کتابوں پر نظر ڈالنا شروع کی کہ کونسی نئی کتب آئی ہیں۔ اور اُس میں سے اپنے ذوق کے مطابق کتابیں چن لیں۔

تین بجے ہم فیاض صاحب کے پاس پہنچے جو ادارہ معارف نعمانیہ کے کرتا دھرتا ہیں۔ وہ ہمیں اپنے آفس متصل مسجد میں لے گئے۔ اور اپنے ادارہ کی شائع کردہ مطبوعات مجھے اور ہندوستان کے چند احباب کے لیے تحفتاً عنایت فرمائیں۔ ادارہ معارف نعمانیہ عرصۂ دراز سے مسلکِ اہلسنت کی کتابیں شائع کر کے مفت تقسیم کر رہا ہے۔

وہاں سے ہم مکتبوں پر کتابوں کی تلاش کے کام پر لگ گئے۔ مکتبۂ نبویہ، مسلم کتابوی، سُنّی کتب خانہ، جمالِ کرم پبلی کیشنز، مکتبۂ اعلیٰ حضرت، مکتبۃ المدینہ وغیرہ۔ چونکہ اس سے قبل بھی دو بار میں وہاں جاچکا تھا۔ اس لیے تمام ہی احباب مجھے جاننے لگے تھے۔ مَیں نے ان کتب خانوں سے مختلف موضوعات پر ڈھیر ساری کتب خرید لیں اور فاروقی صاحب کے ذریعہ انڈیا بھجوا دیں۔

یہاں مجھے اس سانحے کی اطلاع ملی کہ آج یکم مئی ۲۰۰۱ء کو مجاہد ملت حضرت علامہ عبدالستار خاں نیازی وصال فرماگئے۔ علامہ عبدالستار خان نیازی کا شمار پاکستان کے اکابر اور جید علما میں ہوتا رہا۔ انھیں اُن کی خدماتِ دین کے حوالے سے مجاہدِ ملّت کے لقب سے سرفراز کیا گیا۔ اُن کی ساری زندگی خدمتِ دین میں ہی گزری۔ وہ جمعیۃ علماء پاکستان کے بانیین میں سے ہیں۔ انھوں نے جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے قوم و مسلک کی سیاسی رہنمائی کی۔ اور اسی لیے کئی بار اسیرِ زنداں بھی ہوگئے۔ قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں کے خلاف بھی بہت کام کیا۔ غرض یہ کہ علامہ عبدالستار خان نیازی واقعی مجاہد ملت تھے۔ ان کے وصال پر خواص وعوام بھی مغموم تھے۔

وہاں سے ہم جامعہ نظامیہ رضویہ پہنچے۔ لاہور میں اہلسنت کی اس عظیم و مرکزی درس گاہ میں وقت کے جید اساتذہ نئی نسل کو فیض یاب کررہے ہیں۔ اس وقت جامعہ میں کلاسیس جاری تھیں۔ علامہ عبدالقیوم ہزاروی صاحب سے مختصر ملاقات رہی۔ حضرت آخری عمر تک علمی کاموں میں مصروف رہے۔ ان کا سب سے بڑا اور یادگار کارنامہ ''فتاویٰ رضویہ'' کی تخریج، ترجمہ وتشریح ہے۔ جو کہ مکمل ہوکر شائع بھی ہوگیا ہے۔ علامہ منشاء تابش قصوری صاحب، علامہ عبدالستار خان نیازی کے جنازے میں شرکت کے لیے اُن کے وطن جارہے تھے۔ ان سے بھی مختصری ملاقات رہی۔ خلیل رانا صاحب نے علامہ صادق قصوری صاحب سے بھی ملاقات کروائی اور احقر کا تعارف کرایا۔

ہماری آمد کی اطلاع علامہ عبدالحکیم شرف قادری کو دی گئی تو انہوں نے کلاس روم میں ہی بلالیا۔ احقر کا تعارف طلبہ سے کراتے ہوئے چند کلمات کہنے کو کہا۔ پھر وہ ہمیں جامعہ کا دورہ کرانے لگے کہ کہاں کیا ہے۔ وہ ہمیں ماہ نامہ ''النظامیہ'' کے دفتر لے گئے۔ یہ مجلّہ جامعہ نظامیہ کا ترجمان ہے جو حضرت (علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب) ہی کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ انھوں نے نئے و پرانے شماروں کی چند کاپیاں عنایت کیں۔ علامہ شرف قادری صاحب کی خدمات بھی بے پایاں ہیں۔ وہ ضعیف العمری میں بھی ہمہ وقت خدمتِ دین میں مصروف رہتے ہیں۔ ان جیسی ہستیوں کی بدولت ہی آج اہلسنت کے گلشن میں بہاریں ہیں۔

(باقی آیندہ ...... ان شاء اللہ)

سرگزشتِ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت''

از: محمد عبدالمبین نعمانی قادری، چریاکوٹ، مئو

خدا خدا کر کے خلیفۂ اعلیٰ حضرت ملک العلما حضرت علامہ ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ کی تصنیف کردہ کتاب ''حیات اعلیٰ حضرت'' منظر عام پر آئی اور مدتوں کی آرزوئیں تمنائیں بر آئیں۔ سب سے پہلے اس کی اشاعت رضا اکیڈمی ممبئی نے کی پھر ''مرکز برکاتِ رضا'' پور بندر گجرات نے اور ساتھ ہی مولانا اقبال احمد فاروقی ایڈیٹر جہان رضا لاہور نے مجلس رضا لاہور کی طرف سے بھی اسے شائع کیا۔ پہلی اشاعت تین جلدوں میں دوسری دونوں اشاعتیں دو جلدوں میں۔

''حیات اعلیٰ حضرت'' کے مسودے عرصہ دراز تک شہزادۂ امین شریعت حضرت مولانا محمود احمد مظفر پوری (مصنف تذکرہ علمائے اہل سنت) کے پاس محفوظ تھے۔ موصوف اپنے طور پر تحشی و مرتب کر کے شائع کرنا چاہتے تھے اور عدیم الفرصتی کی وجہ سے وہ اس پر پورے طور سے عمل نہ کر سکے اور اسی درمیان بہت سے لوگوں نے آپ سے مسودہ لینا چاہا مگر موصوف نے نہ مسودہ دیا نہ ہی شائع کر سکے۔ جس کی بنا پر انہیں کافی اذیت ناک خطوط ملے اور تکلیف دہ کلمات سے بھی نوازے گئے۔ حالانکہ مولانا اپنے مقصد میں مخلص ہی تھے چاہتے تھے کہ اپنی معلومات کی بنیاد پر مزید اضافے کے ساتھ اس کتاب کو منظر عام پر لائیں۔

ظاہر ہے کہ اس قیمتی مسودے کو بہ آسانی کسی کے حوالہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ جیسے یہ الزام اُن کے اوپر لگا کہ مسودہ ہضم کر گئے شائع کیا نہ شائع کرنے کے لیے دوسرے ناشرین کو دیا تو یہی حال ان لوگوں کا بھی ہوسکتا تھا جو موصوف سے مانگ کر لے جاتے اور شائع نہ کرتے۔ ہر آدمی پہلے اعتماد ہی دلاتا ہے پھر بعد میں غفلت، بے وفائی یا کسی مجبوری کا شکار ہوتا ہے۔ بہر حال مسودہ دینا آسان نہ تھا۔ خطرات کے پیش نظر انہوں نے اتنے عرصہ تک محفوظ رکھا یہ بھی ان کا ایک کارنامہ ہی ہے جسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' سے اہم تو اعلیٰ حضرت کی وہ تصانیف ہیں جو اَب تک شائع نہ ہو سکی ہیں۔ ان کی فکر کم لوگوں کو ہے۔ یوں ہی سرکار مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ العزیز کے فتاویٰ اب تک شائع نہ ہو سکے۔ اس کی تو تلاش بھی نہیں کی جارہی ہے اور جو چھپا ہے وہ اس قدر مختصر ہے کہ اس کو مفتی اعظم کے فتاوے کی حیثیت سے پیش کرنا بھی عجیب سا لگتا ہے۔ کاش فکر مند حضرات اس طرف بھی کچھ توجہ دیتے۔ یوں ہی حضرت ملک العلما کی بیشتر علمی تصانیف پردۂ خفا میں ہیں جو ماضی میں شائع ہوئیں ان میں بھی سب اس وقت نایاب ہیں۔ ہاں حال ہی میں ''صحیح البہاری'' کی صرف جلد دوم جو چار قسطوں میں بھی چھپی تھی رضا اکیڈمی ممبئی کے بانی جناب الحاج محمد سعید نوری صاحب کی توجہ سے شائع ہوئی اور نہایت ہی عمدہ طریقے

سے شائع ہوئی ہے جو سابقہ مطبوعہ نسخے کا ہی عکس ہے۔ ضرورت اس کی بھی ہے کہ اس موقر و معظم کتاب کو نئی کمپوزنگ اور پوری صحت کے ساتھ منظر عام پر لایا جائے۔ جو حصے مسودے کی شکل میں ہوں ان کو بھی شائع کیا جائے۔ یہ حضرت ملک العلما کی وہ عظیم خدمت ہے جس کا اہل علم نے کھلے لفظوں میں اعتراف ہے۔ علمِ توقیت اور افلاک پر بھی آپ کی کتابیں ہیں لیکن سب طاق نسیان بنی ہوئی ہیں۔ بہر حال ''حیات اعلیٰ حضرت'' چھپ گئی تو اب اس کی تعریف و توصیف تو کم ہو رہی ہے البتہ جن لوگوں نے شائع کیا ان پر بوچھار زیادہ ہو رہی ہے۔ کسی کتاب کو مسودے سے پریس تک پہنچانے میں کن کن دشوار گزار مراحل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کو کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنھوں نے کبھی یہ ہفت خواں طے کیے ہوں۔

سنا ہے شہزادۂ مفتی اعظم کانپور بھی بہت ناراض ہیں کہ کتاب ان کی نگرانی کے بغیر کیوں چھاپ دی گئی۔ صحیح اور واقعی بات یہ ہے کہ اگر ان کی نگرانی میں کتاب جاتی تو شاید پھر نصف صدی انتظار کرنا پڑتا اسی خطرہ کے تحت ناشر حضرات نے اپنے طور پر شائع کر دینا ہی مناسب سمجھا۔ یہ کوئی ایسا جرم گردن زدنی تو نہیں کہ آسمان سر پر اٹھالیا جائے ہاں اگر جواب آں غزل کے طور پر یہ ناراضگی ہے تو بجا ہے کہ پہلے پوری قوم اور ناشرین ان پر ناراض تھے کہ دیتے کیوں نہیں اور اب یہ ناراض اس پر ہیں کہ یوں ہی کیوں چھاپ دی قدم قدم پر مجھے پوچھا کیوں نہیں۔

تحریف تحریف کا بھی کافی شور ہو رہا ہے لیکن اس پر کوئی غور نہیں کرتا کہ اگر بعض واقعات کو آگے پیچھے موضوع کے مطابق کر دیا گیا تو اس میں حسن ترتیب اور کسی مصلحت ہی کو دخل ہوگا ناشرین و مرتبین نہ تو ملک العلما سے عداوت رکھتے ہیں نہ ہی اعلیٰ حضرت سے۔ بلکہ جس عرق ریزی سے اس کی اشاعت عمل میں آئی ہے اس کا اندازہ دوسرا کوئی نہیں لگا سکتا۔ یہ اعلیٰ حضرت سے عقیدت ہی تھی کہ ہزار دشواریوں کو سہہ کر کتاب منظر عام پر لانے میں ناشرین و مرتبین کامیاب ہو گئے، اور اس کامیابی کا سہرا فقیہ عصر حضرت علامہ مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی پورنوی اور مخیر ملت جناب سید ولی الدین رضوی بانی الجامعۃ الرضویہ پٹنہ کے سر ہے۔

مطبوعہ ''حیات اعلیٰ حضرت اوّل'' جس کے کئی ایڈیشن ہندو پاک میں شائع ہوئے اور ہو رہے ہیں اس پر تنقیدی نظر ڈالنے سے معلوم ہوا کہ اس میں بھی بہت سی غلطیاں چھپ رہی ہیں اور ایک ہی واقعہ کو تین تین جگہ ذرا ذرا تغیر سے بیان کیا گیا ہے۔ یوں ہی اچھا خاصا حصہ الملفوظ کا اس کے دوسرے قلمی نسخے میں بعینہٖ شامل تھا۔ الملفوظ جب چھپ ہی رہا ہے تو اس کے معتد بہ حصہ کو دوبارہ ''حیات اعلیٰ حضرت'' میں چھاپنا کوئی زیادہ مفید نہ تھا۔ بلکہ اس سے یہ ہوتا کہ ہر قاری یہی کہتا کہ یہ تو مکمل الملفوظ ہے۔ بس یہی اسباب تھے جن کی بنا پر کتاب کو از سرِ نو مرتب کرنے کی ضرورت تھی۔ اس کا تحریف سے کیا تعلق۔

شاید بہت سے لوگوں کو نہیں معلوم کہ جناب سید کفایت علی مرحوم صاحب نے جو عالم نہ تھے کچھ

حالات اعلیٰ حضرت کے اپنے ذوق کے مطابق جمع کیے تھے جب حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ نے اس حیات اعلیٰ حضرت کی تصنیف کا پروگرام بنایا تو سید صاحب نے اپنے تمام مواد کو ان کے حوالہ کر دیا جسے ملک العلما نے اپنی کتاب میں بعینہٖ شامل کرلیا۔ بعض مقامات جو قابلِ غور تھے ان پر توجہ نہ ہو سکی نہ ناقدانہ نظر ڈالی۔ آپ تدریسی خدمات میں مختلف مقامات پر مشغول ومصروف رہے اور وہ سب سے اہم کام تھا نتیجۃً وہ واقعات بعینہٖ نقل ہو گئے حیات اعلیٰ حضرت کا معتد بہ حصہ تلامذہ سے نقل کرایا اور شاملِ کتاب رکھا۔ خود چھپواتے تو شاید نظر ثانی واصلاح کی نوبت آتی۔ اہلِ علم کی مصروفیات کی وجہ سے بہت ایسا ہوتا ہے کہ قابلِ اصلاح مسودے یوں ہی بعد میں طبع ہو جاتے ہیں۔ اگر ایسے کسی مقام پر توجہ کے بعد کچھ ترمیم واقع ہوئی تو اس میں شکایت کی کیا بات ہے کہ بعض لوگ آسمان سر پر اٹھائے پھر رہے ہیں۔ ''حیات اعلیٰ حضرت'' حصہ اوّل کا خطبہ ہی دیکھ لیا جائے کہ بے توجہی سے کچھ کا کچھ چھپ گیا ہے لگتا ہے پوری کوئی سطر ہی چھوٹ گئی یا کوئی عبارت رہ گئی ہے اور برابر کتاب ویسے ہی چھپ رہی ہے اس کی اصلاح بھی ضروری تھی۔ یوں ہی بعض کرامات کو بہت غور کرنے کے بعد ہی محسوس کیا جا سکتا ہے کہ یہ کرامت ہے۔ اسے بادی النظر میں کرامت کہنا مشکل تھا۔ ایسے بعض واقعات کا حذف کرنا ہی مناسب تھا اسے کسی اور جذبے پر محمول کرنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ یہ چند سطور لکھ دی گئیں تاکہ غلط فہمیاں دور ہوں اور حقائق آشکارا ہو جائیں۔

البتہ جناب مولانا اقبال احمد فاروقی صاحب نے عجلت پسندی میں اور سبقت لے جانے کے جذبے کے تحت جو بے ترتیب دو جلدیں شائع کی ہیں وہ قابلِ افسوس ہے۔ وہ ذرا صبر کرتے تو زیادہ اچھا تھا لیکن اب تو جو ہونا تھا ہو گیا بلاوجہ کا غوغا کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ ہاں جو اغلاط کسی وجہ سے دونوں میں سے جس نسخے میں در آئی ہوں ان کی اصلاح ہونی چاہیے۔ سنجیدگی کے ساتھ ان کی نشان دہی کی ضرورت ہے۔ رضا اکیڈمی ممبئی یا مفتی مطیع الرحمٰن صاحب رضوی کو قارئین مطلع کریں تو اصلاح کا یہ کام آئندہ ایڈیشنوں میں ہو سکتا ہے۔ البتہ فاروقی صاحب کو اپنی ترتیب خارج از اشاعت کر دینی چاہیے البتہ کوئی زائد مواد ان کو مستند ذریعہ سے ملا ہو تو ضمیمے کے طور پر اسے شامل کرلیں یا درمیان میں جہاں مناسب ہو رکھیں اور اس کی نشان دہی بھی کر دیں۔ عجیب بات ہے کہ فاروقی صاحب نے کافی ضخیم ایک ہی جلد کر دی اور اس پر بھی جلد اوّل دوم کچھ نہیں لکھا، البتہ دوسری جلد بعینہٖ پٹنہ ایڈیشن ہے اور اس پر مرتب کی حیثیت سے حضرت مفتی مطیع الرحمٰن صاحب کا نام بھی ہے۔

محمد عبد المبین نعمانی قادری۔ چریا کوٹ مئو

۲۰۰۵-۵-۱۵

امام احمد رضا پر مزید کام کرنے کی راہیں

از: علامہ محمد عبدالمبین نعمانی، دارالعلوم قادریہ، چریا کوٹ، مئو، یوپی

(۱) امام احمد رضا سے متعلق مخطوطات کو محفوظ کیا جائے، مثلاً فتاویٰ رضویہ کے مخطوطات، یوں ہی دیگر مطبوعہ تصانیف کے۔

(۲) فتاویٰ کے جس قدر ایڈیشن شائع ہوئے سب یکجا ہوں اور آئندہ مقابلے کے بعد بھرپور صحت کے ساتھ منظر عام پر لائے جائیں اور پورے فتاوے کی جدید طرز پر فہرست سازی کی جائے۔

(۳) امام احمد رضا نے جن کتابوں پر تصدیقات و تقریظات قلم بند فرمائی ہیں ان کی تفصیلات پر مبسوط مقالہ لکھا جائے،

(۴) تمام رسائل کے ایک ہی اردو نام تجویز ہوں،

(۵) فتاویٰ رضویہ اور دیگر رسائل کے عربی تراجم منظر عام پر لائے جائیں، تاکہ موجودہ اہل عرب حقائق سے آگاہ ہوں۔ اس سمت پیش رفت ہو چکی ہے مولانا عبدالستار ہمدانی رضوی نے مرکز اہل سنت برکاتِ رضا، پوربندر سے کئی رسائل شائع کیے ہیں اور مزید رسائل پر کام ہو رہا ہے۔ سُنا ہے فتاویٰ رضویہ کی تعریب (عربی) ہو رہی ہے۔ خدا کرے یہ کام جلد تکمیل کو پہنچے اور منظر عام آ کر آنکھوں کو خیرہ کرے۔

(۶) امام احمد رضا کی سوانح حیات پر عربی میں کتابیں شائع کی جائیں۔

(۷) امام احمد رضا کے معاصر علمائے اہل سنت کے تذکرے بھی شائع کیے جائیں اور ان کے افکار و خیالات پر خاص طور سے روشنی ڈالی جائے۔

(۸) امام احمد رضا کی عملی زندگی کو بھی قوم کے سامنے رکھا جائے۔ ان کے شب و روز کیا تھے، ان کا تقویٰ کیا تھا، ان کا حسنِ سلوک، اُن کی انکساری، اُن کا احترام علما و سادات کس انداز پر تھا، ان باتوں کو خوب سلیقے سے مرتب کر کے نشر کیا جائے۔

(۹) امام احمد رضا پر لکھی جانے والی کتابوں کی مکمل فہرست شائع کی جائے۔

(۱۰) امام احمد رضا سے منسوب مدارس اور ادارہ جات کی فہرست بنائی جائے۔

(۱۱) اس وقت امام احمد رضا کے توسط سے سلسلۂ قادریہ برکاتیہ کو جو فروغ ہو رہا ہے اس کی تفصیلات منضبط کی جائیں، آپ سے منسوب خانقاہوں کی بھی تفصیلات فراہم کی جائیں۔ "فروغ قادریت اور امام احمد رضا" عنوان ہو۔

(۱۲) فقہ حنفی کے فروغ میں امام احمد رضا کی مساعی کا بھی جائزہ لیا جائے اور اس ضمن میں تحقیقات

رضویہ کا اجمالی یا تفصیلی خاکہ تیار کیا جائے۔

(۱۳) امام احمد رضا پر جتنی پی ایچ ڈی کی جا چکی ہے سب کے مقالے یکجا کیے جائیں۔

(۱۴) امام احمد رضا کی تصنیفات خصوصاً فتاوٰی رضویہ کو ملک و بیرون ملک کی یونی ورسٹیوں کے کتب خانوں میں پہنچانے کی بھرپور جدوجہد کی جائے، تا کہ عام دانش وران کے مطالعہ سے اپنی معلومات میں اضافہ کر سکیں۔

(۱۵) اردو ادب میں امام احمد رضا کے مقام کو اجاگر کیا جائے۔

◆◆◆◆◆
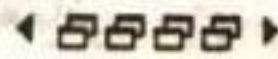
شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۴ء میں جناب نعیم احمد برکاتی صاحب کے مضمون ''فلاحِ دارین'' (قسط اوّل) میں مندرجہ ذیل تصحیح فرمالیں۔

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۲۵	۸	شعبان الایمان	شعب الایمان
۲۸	۴	اور بڑائی مارتے	جو بڑائی مارتے
۲۸	۱۳	تفسیر القرآن	تفسیر تبیان القرآن
۲۹	۲	بعبادہ	بعبادۃ
۲۹	۵	رادہ	ارادہ
۳۳	۲۱	فاروقِ رضی اعظم	فاروقِ اعظم
۳۸	۲۳	اور اور کہتا رہا	اور کہتا رہا
۳۹	۱۹	عمل و	عمل وہ
۴۰	۲۰	رضون اللہ	رضوان اللہ
۴۴	۱۷	لوگوں ی	لوگوں کی
۴۶	۷	کی جانے والے	کی جانے والی
۴۷	۱۰	ریا کاری سے سے	ریا کاری سے
۴۷	۱۵	رضی اللہ	رضی اللہ عنہ
۴۹	۸	غرض کی	غرض کہ
۵۰	۲۴	احق ن یرضوہ	احق ان یرضوہ
۵۳	۹	احیاء العلوم سوم	احیاء العلوم جلد سوم

♥♥♥♥♥

تبصرۂ کتب:

"حسام الحرمین کے سو سال" (پس منظر و پیش منظر)

مصنف ڈاکٹر الطاف حسین سعیدی (ایم۔ بی۔ بی۔ ایس)

ناشر: تحریک فکر رضا ۹۵/اندریا اسٹریٹ (چوکی محلہ)، ناگپاڑہ ممبئی ۴۰۰۰۰۸

صفحات ۶۴،　　　　قیمت ۲۰ روپے

مبصر: **علامہ عبدالمبین نعمانی**

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ (متوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) نے آج سے سو سال قبل علمائے حرمین شریفین سے قادیانیوں اور دیوبندیوں کے بارے میں ان کے عقائد پیش کر کے استفتا کیا تھا، چنانچہ علمائے حرمین نے ہر دو کو اُن کے کفری عقائد کی وجہ سے کافر کہا۔ اصل قصور تو کفر بکنے والوں کا تھا لیکن انہوں نے اپنے اپنے کفر سے توبہ نہ کر کے "الٹے چور کوتوال کو ڈانٹے" کے مصداق اعلیٰ حضرت ہی پر برس پڑے۔ طرح طرح سے بدنام کرنے کی کوشش کی اور کر رہے ہیں۔ ایک عام قسم کا آدمی جس کو گہرائی سے حقائق کا پتہ نہیں وہ ان کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو جاتا ہے اور انہیں کے گن گانے لگتا ہے۔ زیر نظر کتاب تاریخی اعتبار سے حسام الحرمین کی سو سالہ تاریخ کا جائزہ پیش کرتی ہے، کفری عبارات کی جو تاویلیں کی گئیں ان کا بھی بھرپور جواب دیا گیا ہے۔ خاص طور سے قادیانیوں کی تکفیر سے متعلق تو حیرت انگیز معلومات اس کتاب میں فراہم کی گئی ہیں۔ دریا کو کوزے میں بند کرنا، محاورہ سنا تھا، یہ کتاب اس کی منہ بولتی مثال ہے، مذہبیات سے دلچسپی رکھنے والے ہر فرد، ہر طالب علم اور ہر عالم دین کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اگر اس کو اچھی طرح پڑھ کر اس کے مباحث کو کوئی یاد کرے تو مناظر ہو سکتا ہے۔

قادیانیوں کو یعنی مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین کو سب سے پہلے کافر بتانے والے علمائے اہلسنت ہیں، اس بات کو شواہد کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔

ادارہ تحریک فکر رضا والوں نے ایسی اچھی کتاب چھاپ کر اور اس کی اشاعت کر کے ایک اہم دینی خدمت انجام دی ہے جس پر وہ بجا طور پر ہدیہ تبرک کے مستحق ہیں۔

ضرورت ہے کہ اس کتاب کو ملک کی ہر بڑی لائبریری میں پہنچایا جائے۔ اور ہر دانشور کو مطالعہ کے لیے پیش کیا جائے، اس سلسلے میں اہل خیر حضرات کو مالی تعاون سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہیے کہ یہ مسلک حق کی ایک بہت بڑی خدمت ہے۔ افسوس اس کا ہے کہ اہل ثروت حضرات اکثر اس قسم کے علمی کاموں کی حوصلہ افزائی کم کرتے ہیں جب کہ وقتی اور عارضی فائدے والی تقریبات میں خوب دل کھول کر حصہ لیتے ہیں۔ میں رضا اکیڈمی ممبئی کے ذمہ داروں بالخصوص عالی جناب ناشر مسلک اعلیٰ حضرت الحاج محمد سعید نوری

صاحب دام اقبالہ سے بھی گزارش کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کی توسیع اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

واضح رہے کہ حسام الحرمین کے بعد اسی موضوع پر لکھی جانے والی دوسری کتاب ''الصوارم الہندیۃ'' مصنفہ شیر بیشۂ سنت حضرت علامہ شاہ مفتی حشمت علی خاں رضوی لکھنوی علیہ الرحمۃ، بھی طلبہ سابعہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ کے اہتمام سے شائع ہوگئی ہے جو عرصہ سے نایاب تھی، اس کی اشاعت میں بھی بھرپور حصہ لینے کی ضرورت ہے۔ یہ وہ عالی شان کتاب ہے جس میں مصنف نے ہندوپاک بنگلہ دیش کے سیکڑوں علما کی تصدیقات کو جمع کر دیا ہے۔ جس سے یہ بات اظہر من الشمس ہوتی ہے کہ گستاخانِ رسول کی تکفیر کا مسئلہ کوئی انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی اور اجماعی ہے، اس کتاب سے وہابیوں کے اس دھوکے کا بھی جواب ہوگیا کہ علمائے عرب اردو نہیں جانتے تھے اس لیے حسام الحرمین کی تصدیق کردی۔ لہٰذا الصوارم الہندیہ میں صرف اردو داں علمائے کرام ہی کی تصدیقات ہیں جنہوں نے اچھی طرح کفری عبارات کو پرکھ لیا تھا اس کے بعد حکمِ کفر صادر کیا۔ لہٰذا اس کتاب کو بھی گھر گھر اور ہر اہم لائبریری میں جانا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں طلبہ الجامعۃ الاشرفیہ بھی تحسین وتبرک کے مستحق ہیں جنہوں نے دوران طالب علمی اس اہم کام کو اپنے خاص تعاون سے انجام دیا۔ مولیٰ تعالیٰ ان کی اس عظیم خدمت کو قبول فرمائے اور ہدایت کا ذریعہ بنائے، آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وآلہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

☆☆☆☆☆☆☆

امام احمد رضا اور عشق مصطفےٰ ﷺ

مؤلف: علامہ غلام مصطفےٰ صاحب نجم القادری میسور

صفحات: ۴۵۲

ناشر: رضا فاؤنڈیشن، بنگلور، کرناٹک

مبصر: غلام مصطفےٰ قادری رضوی

رحمت عالم گلی، باسنی، ناگور شریف، راجستھان

میں نے اب اچھی طرح دیکھ لیا کہ امام احمد رضا ہمارے سمجھ میں نہیں آتے، جیسے جیسے ان کی زندگی کے نئے اور روشن پہلوؤں کو پڑھتا جا رہا ہوں ویسے ویسے ان کی جامع الصفات شخصیت کا اندازہ ہوتا جا رہا ہے۔ ان کی حیات و کارناموں کے کس کس رخ کو دیکھیں اور کدھر کدھر انگلیوں کا اشارہ کریں کہ علم و حکمت، زہد و ورع، عشق و الفت اور بصیرت و بصارت کا نگار خانہ یہاں ہے جس طرف نگاہ اٹھایئے حقائق کے گل بوٹے کھلے ہوئے۔

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

دنیا میں ہر کوئی چاہتا ہے کہ میری عزت افزائی ہو میرے چرچے اور تذکرے ہوں۔ مجھے اچھے القاب و آداب سے یاد کیا جائے ہر آدمی میری تعظیم کرے۔ میرا دنیا میں بھی نام ہو آخرت میں بھی۔ مگر جس کو عظمت و شوکت، رفعت و بلندی بارگاہِ خداوندی سے مل جائے۔ وہ ایسا چمک جاتا ہے کہ اس کی چمک اور اس سے ضیاء حاصل کرنے والے بھی کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں۔ انہیں خوش نصیب ہستیوں میں امام احمد رضا ہیں جن کو مٹانے کی بہت کوشش کی گئی، جن کی حیات و کارناموں پر ہر طرح پردے ڈالنے کی کوششیں کی گئیں مگر "جسے خدا رکھے اس کو کون چکھے" کے بمصداق وہ بلند ہوتے ہی گئے اور اس کے چرچے اور تذکرے اب ہندو پاک ہی میں نہیں بلکہ دنیا کے کثیر گوشوں میں محبت و عشق کے ساتھ ہو رہے ہیں۔ اور اب آفتابِ بریلی کی نورانی کرنیں پوری دنیا میں دیکھی جا رہی ہیں۔

امام احمد رضا پر جتنا کام ہونا تھا اگرچہ اتنا نہیں ہوا۔ تاہم پچھلے چند برسوں سے افکار و نظریات رضا کی ترویج و اشاعت میں قابل تعریف کام ہوا ہے اور فکر رضا کی اشاعت اور تبلیغ کے لیے علما و ادباء کا ایک بڑا طبقہ شب و روز مصروف عمل ہے، ان کی حیرت انگیز علمی و ادبی، ایمانی اور اصلاحی کتب و رسائل پر کام کرنے والے فخر کے ساتھ کام کی رفتار کو بڑھا رہے ہیں۔ سینکڑوں مدارس، ہزاروں تنظیمیں، انجمنیں، ہزاروں مصلحین و واعظین تعلیماتِ رضا اور مقاماتِ رضا سے عوام اہلسنت و مختلف مکاتبِ فکر کو آشنا و واقف کرا رہے ہیں۔ ہزاروں اہلِ قلم اور دانشور اُن کے نمایاں قدیم و جدید گوشہائے زندگی پر تحقیق و ریسرچ کر رہے ہیں۔ اب بلا تامل ہم کہہ سکتے ہیں کہ

گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں

افکار و نظریت پر تحقیقی کام کرنے والے اہل قلم حضرات میں ایک نام حضرت علامہ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ صاحب نجم القادری کا ہے۔ موصوف کا آبائی وطن ردولی ضلع سیتا مڑھی بہار ہے مگر کرناٹک کے علاقوں میں برسوں سے مصروف خدمتِ دین ہیں۔ گذشتہ برسوں سے امام احمد رضا کی حیات اور زریں خدمات پر عمدہ تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ آفتاب بریلی کی نورانی کرنیں بکھیرنے میں ان کا بھی نمایاں حصہ ہے ان کی تحقیقی اور علمی نگارشات ہندو پاک کے مختلف رسائل میں شائع ہو کر اہل علم و دانش سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ فکر رضا اور تعلیماتِ رضا پر لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں۔ بہت پہلے "جہانِ رضا" کے کسی شمارے میں ان کا مضمون "محقق بریلوی اور جدید اصول تحقیق" چھپا تھا۔ جس کو پڑھ کر ملک کے گوشے گوشے سے مبارکبادیاں اور آفرینیاں پیش کی گئی تھیں؛ مگر اب جب ان کا تحقیقی اور تفصیلی مقالہ "امام احمد رضا اور عشق مصطفےٰ ﷺ" دیکھا تو قلب و جگر میں تازگی پیدا ہوگئی۔ مسرت و شادمانی ہوئی۔ دل سے ان کے لیے دعا کی

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

پی ایچ ڈی (Ph. D) مقالے کے اس اہم موضوع پر علامہ نجم القادری نے قلم تو اٹھالیا مگر پھر بھی اس طرح اعتراف حقیقت کرتے ہیں۔ ''ایک ایسی شخصیت جو عالم نہیں علم، مفکر نہیں فکر، مجاہد نہیں جہاد، عاشق نہیں عشق ایسی متنوع رنگارنگ، عقائے عصر، نادر دہر عہد آفریں تاریخ ساز، نقرئی ہستی، عبقری شخصیت کی حیات وخدمات کے سب اہم واعظم پہلو آفاقی گوشہ ''عشق رسول ﷺ'' جیسے لطیف و نازک اور جہانگیر ہی نہیں جہانگیر جہت صفت کو دائرہ تحقیق میں لانا، اس پر تنقیدی نظر ڈالنا اور تحقیقی کام کرنا کتنا مشکل اور زہرہ گداز عمل ہے اس راہ کے راہی ہی میرے اس درد کو اچھی طرح محسوس کرسکیں گے۔ اس کٹھن مرحلہ سے کامیاب گذرنا میرے لیے جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا''

موصوف نے اس مقالہ کو بڑی محنت اور عرق ریزی سے لکھا ہے جس پر وہ کئی برسوں سے کام کر رہے تھے یہ خلوص وعقیدت کا ہی نتیجہ ہے کہ ۴۵۲ صفحات پر مشتمل یہ قیمتی سرمایہ اہل علم ومحبانِ رضا کے مطالعہ کی میز پر پہنچ گیا۔ اپنے اس مقالے کو انہوں نے ایک مقدمہ اور چھ ابواب پر پھیلایا ہے۔ اور امام احمد رضا کی محبت والفت رسول ﷺ میں شیفتگی پر خوب جم کر لکھا ہے، حرف سخن کے تحت رقم طراز ہیں۔

''اپنی اس کاوش کو ہم نے ایک دیباچہ (حرف سخن) ایک مقدمہ اور چھ باب سے مرصع کیا ہے حوالہ جات کو ہر ذیلی باب کے متصل بعد رکھا ہے تاکہ محولہ کتب ایک نظر میں پیش نظر آجائیں'' (امام احمد رضا اور عشق مصطفےٰ ص ۳)

مقدمہ میں امام احمد رضا کی حیات کے چند پہلو مختصراً خدمات کے حوالے سے پیش کیے ہیں۔ باب اوّل میں عہد رضا کا منظر، پس منظر، باب دوم میں حضرت رضا بریلوی سیرت وسوانح، باب سوم میں تصور عشق پر عمومی بحث، باب چہارم میں تصور عشق ممتاز شعراء کے حوالے سے، باب پنجم میں حضرت رضا بریلوی کا تصور عشق اور باب ششم میں حضرت رضا بریلوی کے تصور عشق کے اثرات پر علمی اور تحقیقی گفتگو کی گئی ہے ہر باب میں ذیلی عنوان کے تحت معلوماتی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ مختلف شعراء کے کلام اور مقاصد سے حضرت رضا بریلوی کے کلام کی خوبیوں کا موازنہ کیا ہے۔

الغرض زیر تبصرہ کتاب ''امام احمد رضا اور عشق مصطفےٰ'' علامہ نجم القادری کی علمی تحقیقی کاوش ہے جو قارئین کی معلومات میں اضافہ کا باعث تو ہوگی ہی ساتھ ہی ساتھ عشق ومحبتِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء میں تازگی اور پختگی کا بھی ذریعہ ہوگی۔ اہل علم وادب اسے خرید کر پڑھیں اور موصوف کی صلاحیتوں کی انہیں داد دیں۔ رضا فاؤنڈیشن بنگلور کرناٹک نے بڑے عمدہ اور دیدہ زیب ٹائٹل اور کتابت سے شائع کرکے دور دور تک عام کیا ہے۔ تاہم کمپوٹر کتابت کی کچھ اغلاط رہ گئی ہیں امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کردی جائے گی۔

جشنِ یومِ رضا کے تحت مشاعرۂ نعت و منقبت

عالم اسلام کی عظیم ترین عبقری شخصیت تاجدار علم وفن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ (رضا بریلوی) کے جشنِ ولادت کے موقع پر ۱۰ر شوال المکرم ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۴ر نومبر ۲۰۰۴ء بروز بدھ سلطان الشہداء ایوارڈ یافتہ شاعر، شاعر غازی، شانِ عالم مسعودی بہرائچی کے کاشانے پر ایک عظیم الشان مشاعرۂ نعت و منقبت شیخ التجوید استاذ القراء حضرت قاری مرزا محمد معظم بیگ مسعودی استاذ المرکز الاسلامی دار الفکر درگاہ روڈ بہرائچ شریف بعدہ شہر کے کہنہ مشق شاعر حضرت انجم صدیق لکچرار آزاد انٹر کالج بہرائچ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس کی نظامت شہر کے معروف صحافی و شاعر رئیس صدیقی نے کی۔ اس نعتیہ و منقبتی مشاعرہ میں جن شعراء نے اپنی عقیدت کا نذرانہ پیش۔ ان کے منتخب اشعار پیش قارئین ہیں۔

نگاہوں میں حرم ہے اور مدینہ دل کے اندر ہے ☆ کوئی دیکھے کہ کتنے اوج پر میرا مقدر ہے

حضرت انجم صدیقی صاحب

معظم ہے مقدر یہ ہمارا ☆ جبین شوق ان کے در پہ خم ہے

حضرت قاری معظم مسعودی صاحب

دہر میں روشن چراغ حنفیت کو کر دیا ☆ مسلکِ حنفی کی زینت ہیں امام احمد رضا

جناب شانِ عالم مسعودی

فقیر کو چہ احمد امیر دنیا ہے ☆ وہ بادشاہوں کی شاہی خرید سکتا ہے

حضرت مولانا شریف قادری صاحب

ہم نے سچ کہنے کی دنیا سے یہ ہمت کی ہے ☆ جس کو دیکھا بھی نہیں اس کی عبادت کی ہے

جناب عثمان مینائی صاحب

اللہ کا یہ حسنِ تخاطب تو دیکھیے ☆ یٰسین ہیں کہیں، کہیں طٰہٰ حضور ہیں

جناب رئیس صدیقی صاحب

سنتوں کے بنا بندگی خام ہے ☆ بس یہی اعلیٰ حضرت کا پیغام ہے

جناب منظور بہرائچی صاحب

چاند ہوگیا ٹکڑے ان کے اک اشارے پر ☆ عام ہوگئی ہر سو شہرت رسول اللہ

جناب مومن برکاتی صاحب

تمہارے نام سے چھوڑی جو کشتی ☆ تلاطم بھی کنارا ہوگیا ہے

جناب نظر بہرائچی صاحب

باقی صفحہ ۹۶

رضا نامے

☆ علامہ مفتی عبدالمبین نعمانی، دار العلوم قادریہ، چریا کوٹ، مئو

افکار رضا کا شمارہ اکتوبر دسمبر ۲۰۰۴ء موصول ہوا۔ جو حسب سابق اپنے اندر ایک سے ایک قیمتی مضامین لیے ہوئے ہے۔ "جنگ آزادی میں علامہ فضل حق خیر آبادی کا کردار" حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کا ایک نہایت اچھا مضمون ہے، جو ہر قاری کو دعوت فکر دیتا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کو علیحدہ کتابی شکل میں بھی شائع کر دیا جائے۔ خورشید احمد سعیدی صاحب کا تنقیدی و اصلاحی مکتوب بڑا جان دار ہے اور قابل توجہ بھی۔ اس مکتوب کے آخر میں میرے خط کے ایک جملے پر انہوں نے جو اصلاح کی ہے، اس میں اُن سے عجلت ہوگئی ہے، میں جو کہنا چاہتا تھا شاید وہ سمجھ نہ سکے۔ میرا کہنا یہ تھا کہ عبدالنعیم عزیزی صاحب نے حضرت مفتی مطیع الرحمٰن پر یہ الزام لگایا ہے کہ انہوں نے عبدالنعیم صاحب کے سب کیے پر پانی پھیر دیا۔ اس پر میں نے لکھا تھا، ایسا لگتا ہے کہ مفتی صاحب کو عبدالنعیم صاحب سے کوئی دشمنی تھی، جو انہوں نے ان کے سب کیے پر پانی پھیر دیا۔ بہر حال یہ ایک ضمنی بات تھی جس پر قارئین کی توجہ دلانا ضروری تھی۔ سعیدی صاحب کا مضمون انجیل سے متعلق بڑا معلومات افزا اور تحقیقی ہے۔ تبصرے کی بہت سی باتیں ذہن میں ہیں لیکن عدیم الفرصتی کے باعث سب کو نظر انداز کر رہا ہوں۔ "سرگزشت حیات اعلیٰ حضرت" والا مضمون جس کا وعدہ تھا رسالہ سے پہلے میں نے لکھ کر عدم اشاعت کا فیصلہ کر لیا تھا پھر خیال آیا کہ اس کو شائع کر دینا چاہیے تو آپ کے پاس بھیج دیا۔ البتہ آپ کو حذف کا اختیار ہے۔

☆ غلام مصطفیٰ رضوی، باسنی، ناگور، راجستھان

اُمید ہے کہ اشاعتی سفر زور دار انداز میں جاری ہوگا۔ فکرِ رضا اب نئے نئے علاقوں میں بڑی سُرعت کے ساتھ پہنچ رہی ہے۔ اگرچہ پاکستان میں ہندوستان کی بنسبت افکار و نظریاتِ رضا پر کام زیادہ ہوا ہے تاہم وطنِ عزیز میں تحریکِ فکرِ رضا کے زیرِ اہتمام مستقل طور پر اشاعتِ افکارِ رضا کا جو کام انجام دیا جارہا ہے وہ لائقِ صد تحسین ہے۔ مگر ہنوز اور بہت سی خدمات انجام دینے کی ضرورت ہے۔

ہمارے اہل علم و قلم حضرات حیات و خدماتِ رضا کے انہی پہلوؤں پر خامہ فرسائی کرتے جارہے ہیں جن پر پچھلے پچیس تیس برس سے کافی لکھا جاچکا ہے۔ آپ کو امام احمد رضا خاں قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ کے ان مبارک گوشہائے حیات کو بھی اشاعت کے میدان میں لانے کے لیے نوجوان قلم کار تیار کرنے ہیں جو تاہنوز گوشۂ گمنامی میں ہیں۔ اور آپ کی یہ خواہش بھی ہوگی جیسا کہ آپ کی مجلس میں بیٹھنے سے میں نے اندازہ کیا ہے کہ آپ Ph.D کے لیے اعلیٰ حضرت کی غیر متعارف خدمات کو نمایاں کرنے کے لیے

نوجوان قلم کاروں کی تلاش میں ہیں، انشاء اللہ اس میں آپ سرخرو ہوں گے۔

مجلہ افکار رضا اب نئے انداز، نئی تحقیق اور نئے محققین کو اپنے اندر سما کر تشریف لا رہا ہے۔ پاکستان کے علما و محققین کے نئے نئے موضوعات پر تحقیقی اور ادبی مضامین دلچسپی کا باعث بنتے ہیں۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب کا معلوماتی سلسلہ بہت لطف دیتا ہے۔ مخالفین بھی حیرت زدہ ہوں گے کہ امام رضا کے علمی اور دینی کارناموں کو اب پروفیسر حضرات بھی خراج تحسین پیش کرنے لگے ہیں۔ یہ مستقل کتابی شکل میں شائع ہو تو بہتر ہے۔

رب قدیر آپ کی مخلصانہ خدمات کو قبول فرمائے اور افکار رضا کی روشنی سے ایک عالم کو منور فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔ فقیر قادری کی اشاعتی کاوش "عورت اور آزادی" حاضر خدمت ہے قبول فرما کر خلوص کے لیے دعا فرمائیں بقیہ خیریت ہے۔

ابوالحسن واحد رضوی، مدیر ماہنامہ ریاض العلم، آستانہ عالیہ فیض آباد شریف، محمد نگر، اٹک، پاکستان

آپ کا غائبانہ تعارف تو قبلہ فاروقی صاحب مدظلہ کے ذریعے سے بہت پہلے کا ہے اور فاروقی صاحب کے ہی ذریعے "سہ ماہی افکار رضا" کا بھی۔ تاہم پہلی دفعہ آپ کی خدمت میں عریضہ لکھ رہا ہوں۔ کبھی کبھار افکار رضا لاہور سے ہوتا ہوا باصرہ نواز ہوتا ہے تو دل کی کلی کھل اٹھتی ہے۔ آپ فکرِ رضا کے حوالے سے بلاشبہ نمایاں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ پرچہ کے مندرجات میں مختلف مضامین و مقالات اس کی قدر و قیمت کے اضافے کا باعث ہیں۔ میں آپ کو اس سہ ماہی علمی کوشش پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔ خدائے بزرگ و برتر آپ کو مزید ہمت ارزانی کرے تاکہ آپ اسی جذبہ وعزمِ پختہ کے ساتھ فکرِ رضا کی نشر و اشاعت میں سرگرمِ عمل رہیں۔

افکارِ رضا کے تازہ پرچہ کے لیے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی قدس سرہ کی زمین لکھی ایک نعت ارسالِ خدمت ہے۔ ان شاء اللہ کوشش کروں گا کہ کوئی منثور ہدیہ بھی آپ کو پیش کر سکوں۔

ماہنامہ ریاض العلم کے دس پرچے (خصوصی شمارہ) ارسالِ خدمت ہیں۔ ان میں ایک افکار رضا کے تبادلے میں قبول فرمائیں باقی ماندہ احباب (فہرست لف ہذا ہے) کو ارسال فرما کر شکریہ کا موقع فراہم کریں!

افکار رضا کے علاوہ اپنی مطبوعات کا ایک سیٹ ضرور ارسال فرمائیں۔ ان شاء اللہ ادارہ ریاض العلم کی مطبوعات آپ تک آئندہ ارسال ہوتی رہیں گی۔...... احباب کی خدمت میں سلام شوق .... والسلام

☆☆☆☆☆☆☆

تحریک فکر رضا
ہمارے مقاصد:
☆ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے افکار و نظریات کو زیادہ سے زیادہ متعارف کرانا۔
☆ علماءِ اہلِ سنّت و جماعت کی رہنمائی میں مفکرین اور محققین کی ایک ٹیم کا فکر رضا کی ترویج و اشاعت میں دن رات کوشاں رہنا۔
☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو سہل انداز میں جدید اسلوب کے ساتھ شائع کرنا۔
☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو ملک کی مختلف اور بین الاقوامی زبانوں میں شائع کرانا۔
☆ اربابِ فکر و دانش کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی طرف متوجہ کرنا۔
☆ ہر اُٹھتے ہوئے سوالوں کا امام احمد رضا کی تحقیقات کی روشنی میں جواب دینا۔
فکرِ رضا کو عام کرنے کے لیے آپ ہمارا تعاون کیجئے۔
آپ کا تعاون جہاد بالقلم میں ہمارا مدد گار ہوگا۔
If undelivered please return it to:
Muhammad Ishaq : 45A Memonwada Road, Hirani Bldg, 2/6, Mumbai - 400 003
بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب
پیشکش۔ محمد احمد ترازی
Raza Graphics : 5600 8260